سات کھیل

راجندر سنگھ بیدی

سات کھیل

راجندر سنگھ بیدی

مکتبہ اُردُو ادب

بازار ستھاں اندرون لوہاری گیٹ لاہور

ان ڈراموں کے سلسلے میں مجھے ایک معذرت پیش کرنا ہے اس لئے نہیں کہ میں نے یہ ڈرامے لکھے ہی کیوں بلکہ یہ کہنے کے لئے کہ ان ڈراموں میں کبھی کبھی کوئی کردار گنگناتا ہے یا قدرے فصیح معلوم ہوتا ہے ——— اور یا پھر ضرورت سے زیادہ سادہ ہے۔

ایک توجیہ ظاہر ہے کہ لوگ روزمرّہ زندگی میں گنگناتے ہیں، فصیح ہوتے ہیں اور کہیں کہیں انتہائی سادگی کا ثبوت بھی دیتے ہیں لیکن چونکہ ہمارے ملک کے ناقد کی خواہش ہوتی ہے کہ کردار وہی کریں جو ٹھوس حقیقت پر مبنی ہو اس لئے ان ڈراموں کی بلاغت اور سادگی کے لئے معذرت کی نوبت پیش آتی ہے۔

مثال کے طور پر ٹرام میں دو آدمی باتیں کر رہے ہیں۔ موضوعِ سخن کسی لڑکی کا اغوا ہو جانا ہے جس کا مطلب ہے کہ بات ڈرامائی امکانات سے خالی نہیں لیکن یہ ستم ظریفی ہر وقت ممکن ہے کہ گفتگو کرتے ہوئے ان دونوں کے درمیان ایک اور سواری آجائے جس نے انہی لوگوں کی طرح ٹکٹ کے دام دیئے ہوں اور اپنی جگہ چھوڑنے سے صاف انکار کر دے یا اس ڈرامائی واقعے کے مقامِ عروج پر پہنچنے سے پہلے راوی کچھ دیر کے لئے ایکا ایکی چپ اور اپنے مختصر سے سفر کے بقیہ لمحے سگرٹ سلگانے میں صرف کر دے (آپ جانتے ہیں بس میں ہوا تیز ہوتی ہے) یا اُسے معاً خیال آجائے کہ پالسن کا مکھن جو ابھی کسی بی کے

ڈھوڈی اینڈ سنز سے خریدا تھا، کنجڑے کے ہاں رہ گیا ہے اور وہ گفتگو کا سلسلہ درمیان ہی میں ختم کر دے ...... ظاہر ہے کہ یہ سب حرکتیں اس ڈرامائی موضوع سے الگ ہٹ کر ہوں گی اس لئے چھپ کر سننے والا EAVES DROPPER جب گھر پہنچ کر اپنی بیوی سے وہ قصّہ بیان کرے گا تو نہ صرف پالسن مکھن کے کھو جانے والی بات کو نظر انداز کر دے گا بلکہ اس واقعے کو اس کے منطقی اختتام سے کچھ پرے لے جائے گا۔

تو گویا ان ڈراموں کی تمام فصاحت، بلاغت، سادگی اور عیاری حقیقت سے اتنی ہی دُور ہے جتنا کہ عین ڈرامائی لمحے میں گرفتار انسان کردار و گفتار کے اعتبار سے ایک عام انسان سے مختلف ہوتا ہے۔ ایک خاص موقع SITUATION میں مبتلا آدمی ایک خاص ہی انداز کی حرکت کرتا ہے۔ علم انداز کی نہیں۔

لاہور ۱۹۴۶ء　　　　　راجندر سنگھ بیدی

ترتیب

چانجیہ ۷
تلچھٹ ۳۲
نقل مکانی ۷۰
آج ۱۰۶
رخشندہ ۱۳۶

اس مجموعے کے بیشتر کھیل مصنف نے آل انڈیا ریڈیو کی ملازمت کے دوران میں لکھے ہیں۔ اس لئے انہیں کتابی صورت میں لاتے ہوئے مصنف اس ادارے کی ادب نوازی کا سپاس گزار ہے۔

•

کھیل "تلچھٹ" کا مرکزی خیال PAVALENKO کی ایک کہانی سے لیا گیا ہے۔

چانکیہ

چندرگپت موریہ ، بھارت سمراٹ
چانکیہ ، مہامنتری
درُدھر ، چندرگپت کی رانی
پرویک ، ایک ہماتھی راجا
انورادھا ، وِشن کنیا
راج دوت ، انگ رکھشک ، نین ، پنڈت اور دوسرے لوگ

وقت : موریہ خاندان کا عروج

اس کھیل میں جہاں ہندی حرف ण کی آواز پیدا کرنی مقصود ہے وہاں حرف ن پر ط ڈال دی گئی ہے مثلاً ـــــ براہمݨ

پہلا منظر

رات کا پچھلا پہر- مہاراج چندرگپت رنواس میں سوتے پڑے ہیں - ان کی سنیا پہ دونوں طرف انگ رکھشکائیں کھڑی ہیں، ایک سندری ستار لے کر آتی ہے اور بہت مدھم سروں میں ساز چھیڑتی ہے معلوم ہوتا ہے کہیں دور سے آواز آ رہی ہے ——

جاگو، جاگو راج نریش
تم جاگو دنیا سوئے

مہاراج آہستہ آہستہ اُٹھتے ہیں اور پھر لیٹ جاتے ہیں وہ ابھی اور سونا چاہتے ہیں۔ اُن کے پہلو میں پڑی ہوئی مہارانی دُردھر بھی آنکھیں کھول دیتی ہیں۔ مہاراج جمائی لیتے ہوئے کھڑکی سے باہر چاندنی میں نہلاتے ہوئے شہر پاٹلی پتر کی طرف دیکھتے ہیں ——

چندرگپت۔ ابھی کتنی ہی رات باقی ہے۔ دُردھر —— میری رانی اور پاٹلی پتر —— میری راجدھانی دونو کیسے شانت مئی نِدرا میں کھوئے پڑے ہیں اور اپنے سپنوں میں اور بھی سُندر ہو گئے ہیں...... لیکن...... (فیصلہ کن انداز میں) یہ راج سمراٹ کا کرم نہیں کہ وہ تین گھڑی سے زیادہ سوئے

دُردھر۔ (جاگتے ہوئے) مہاراج!

چندرگپت۔ مہارانی جاگ گئیں ؟

دُردھر۔ مہاراج! آپ کدھر جا رہے ہیں (جماہی لیتی ہیں)

چندرگپت۔ (بیزاری سے) دن بھر کی محنت کے لئے (ہلکی سی ہنسی ہنس کر) سمراٹ چندرگپت کو لوگ جانے کتنا سکھی سمجھتے ہیں۔

درُدھر۔ ابھی بہت رات باقی ہے پریہ ـــــ پڑے رہتے پچکے سے

چندرگپت۔ سنہری تیز کا راگ ریں پھڑ پھڑ لانے لگے ہیں۔ تال کے کنارے سوئے ہوئے موروں نے بھی اپنی چونچیں پروں سے نکال لی ہیں ـــــ اور تم مجھے پڑا رہنے کے لئے کہہ رہی ہو، درُدھر...... درُدھر! کتنا انشچت ہے تمہارا پریم! جیسے سوتے میں ششو اپنا ہاتھ جننی پر رکھ دیتا ہے اور اسے ذرہ بھی ہلنے کی اجازت نہیں دیتا اسی طرح تم بھی اپنا ـــــ

درُدھر۔ ہاں مہاراج! اس کو بھی میری طرح پریم کے چور کا کھٹکا لگا رہتا ہے۔ اس بات کے گیان کو من میں بسائے کہ پتا پتر اور ماتا کے پریم میں بادھک ہے وہ آشنکا کا ہاتھ اپنی ماں پہ رکھ دیتا ہے۔

چندرگپت۔ (فتح مندی کے احساس سے) اوہ! درُدھر کی سی سندری کو بھی اپنی وجے میں سندیہہ ہے۔

درُدھر۔ (سرد آہ بھرتے ہوئے) میری سندرتا ہی تھا سنے والا ہٹ نہ ہوئی۔ آہ! اس بات کا آپ کی درُدھر کو شوک ہے۔

چندرگپت۔ درُدھر ہے! کہو، تم اپنے پریم کا چور کسے سمجھتی ہو؟

درُدھر۔ یہ میں خود بھی نہیں جانتی پربھو۔ شاید جاننا بھی نہیں چاہتی۔ اس پنچھی کی نائیں کی جو گھاتک کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لیتا ہے..... میں اس بھرم میں خوش ہوں کہ آپ مجھے جی سے چاہتے ہیں۔

چندرگپت۔ شاید تمہارا اشارہ الورادھا کی طرف ہے۔ لیکن تم نہیں جانتیں کہ میں نیتی میں پریم کو کچھ نہیں سمجھتا۔

درُدھر۔ نیتی سمراٹ کے لئے ہے منشیہ کے لئے نہیں اور منشیہ کے لئے پریم ہی سبھی کچھ ہے۔

چندرگپت۔ چندرگپت سمراٹ ہی تو ہے۔

دردھر۔ رِتو اس سے پرے ہے — سنگھاسن آپ سے بہت دُور ہے اور تاج دوار سے باہر ایک انگ رکھشک تھامے کھڑی ہے۔ اس وقت شیّا پر آپ کے چرن ہیں اور اُن پر دردُھر کا سیس۔

چندر گپت۔ جس سمراٹ نے اپنے آپ کو بھاوناؤں میں کھو دیا۔ اس نے اپنے پاؤں پر آپ پرشا جلایا۔ دردھر — مجھے ان سونے کی زنجیروں سے نکلنے دو۔

دردُھر۔ (نراش ہو کر اور غصے میں) چانکیہ کے شش سے اور کسی کو کیا آشا ہو سکتی ہے؟ لیکن چانکیہ نے جیون بھر پریم نہیں کیا۔ نند سے بدلہ لینے کے لئے اس نے کرودھ سے نہ صرف اپنی چُٹیا کھولے رکھی بلکہ اس اگنی میں اپنے آپ کو بھی بھسم کر ڈالا۔ اب وہ انگ کے سوا کچھ بھی نہیں...... کچھ بھی نہیں — جس طرح وِش کنیا کے شریر میں وِش دھیرے دھیرے بس جاتی ہے اس طرح کرودھ اور بدلے کی آگ اُس کی نس نس میں سلگ رہی ہے وہ تکشک ناگ کی طرح کالا بھجنگ ہے۔ وِش کنیا سمان وہ جسے بھی چھوئے گا جلا ڈالے گا۔

چندر گپت۔ تم یہ سب باتیں اُسے بتا رہی ہو جس نے اُس کے ساتھ برسوں تپسیا کی اور جس کی سنگت سے چندر گپت نے پاٹلی پتر کا راج پراپت کیا — چھوڑو مجھے آج بیلوں کی دوڑ ہے اور میں اپنے مہانندی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

دردُھر۔ چانکیہ نے منشیہ کی سروآچ اوستھا سے گرا کر آپ کو صرف ایک سمراٹ بنا دیا۔ اس کٹل کٹھور براہمن کا ارتھ شاستر تمام کُھرٹا اور سندیہہ سے بھرا پڑا ہے۔ پریم سے نہیں۔ اپرادھی کو کشما کر دینے میں جو آنند ہے اُس کی پراپتی اس نے کبھی نہیں کی۔ پریم کے پرم آنند کا اُسے کوئی انوبھو نہیں۔ آپ نے تو جیون میں پریم رس چکھا ہے۔ آپ کے مُنہ کو ایسی باتیں شوبھا نہیں دیتیں۔

چندر گپت۔ چانکیہ کا درشن ایک مہان پنڈت کا تتو گیان ہے۔ جیسے دو اور دو چار ہوتے

ہیں اور ہمیشہ ہوں گے۔ اس طرح چانکیہ کا گیان بھی اٹل رہے گا۔ جن لوگوں کو میں نے
کشما کر دینے کا (طنزاً) پرم آنند حاصل کرنے کے لئے چھوڑا انھوں نے ہی میری جڑیں
کاٹیں —— چانکیہ کے سدّھانت اپواد نہیں جانتے ——

درُدھر۔(طنزاً) اپواد نہیں جانتے؟ —— جس سمے آپ نے کرودھ وش چانکیہ کو راج دربار
سے الگ کیا تو اُسے موت کی سزا کیوں نہ دی؟

چندر گپت۔ اس لئے کہ وہ براہمن ہے۔ چانکیہ کی مہانتا کا تم اس بات سے اندازہ لگا سکتی
ہو کہ راج دربار میں پھر سے مان پاتے ہوئے اس نے میری اس بھول کو جتا دیا تھا۔

درُدھر۔ میں اسے بھول نہیں کہتی۔ اگر آپ نے اُسے مرتیو دنڈ دیا ہوتا تو پاٹلی پتر تو اسی آپ
کے ورُدھ اُٹھ کھڑے ہوتے۔ براہمن کا گھات کون سہن کر سکتا ہے اور اگر آپ
چانکیہ سے بھے بھیت ہیں تو اب بھی اُسے مار دینا چاہیئے۔ نہ جانے وُہ کب وشواش
گھات کرے۔

(وقفہ)

"راج سمراٹ کا کرم نہیں کہ وہ تین گھڑی سے زیادہ سوئے" —— یہ بھی چانکیہ کے
ارتھ شاستر میں لکھا ہوگا۔

چندر گپت۔ مجھے اس بات کے مان جانے میں کوئی لجا نہیں مہارانی —— چانکیہ ٹھیک ہی کہتا ہے
مجھے گوادھیاکش کے پاس اپنے مہانندی کو دیکھنے جانے دو۔ آج وہ پروتک کے
بیل کو ہرا دے گا —— مجھے جانے دو، نیتی میں پریم بھاؤ ایک کمزوری ہے۔

درُدھر۔ پریم جس پر سوراج پاٹ کا بلیدان دیا جا سکتا ہے —— مہاراج! آپ بھی تو وچار یئے
آخر آپ چانکیہ سے اتنے ڈرتے کیوں ہیں؟ پاٹلی پتر کے مانسروور ایسے تال، ان کے
اندر ڈبکیاں لگانے والی مچھلیاں، ان کے کنارے ناچنے والے مور، ہاتھی دانت کے
ستون، یہ دوڑنے والے بیل، ہاتھی، گینڈے، یہ وشال دیش کس کا ہے؟

چندر گپت۔ جس طرح یہ محل اور ان کے اونچے اونچے سنہری کلس کلا کاروں کے ہاتھوں سے
بن کر سماپت ہوئے لیکن ان کا سوامی چندر گپت ہے۔ اسی طرح نیم اور نیتی کے ستونوں
کا رچیتا مہاستری چانکیہ ہے لیکن ان کو لاگو کرنے والا یا نہ کرنے والا میں ہوں۔ پریشد
اور اٹھارہ امانیہ بنائے ہوئے چانکیہ کے ہیں لیکن وہ وہاں میری اچھا انوسار ہیں....
نوادھیاکش، اگوادھیاکش ہست، اسو، رتھ ادھیاکش سب سمراٹ چندر گپت کے
اشارے پر ناچتے ہیں۔

درُدھر۔ یہ میں مانتی ہوں پاٹلی پتر کا تاج مہاراج چندر گپت کے سر پر ہے، چانکیہ کے سر پر
نہیں لیکن آپ بھوجن تک وہی کرتے ہیں جو چانکیہ نشچت کرتا ہے وہی بستر پہنتے
ہیں، جنہیں پہننے کے لئے چانکیہ کہتا ہے ——— اسی استری سے پریم کرتے ہیں۔
جس کے ساتھ پریم کرنے کی چانکیہ پریرنا کرتا ہے ——— دوسرے شبدوں میں
پریم کی بھیک مانگنے کے لئے مجھے اپنا آنچل مہاراج چندر گپت کے سامنے نہیں، چانکیہ
کے سامنے پھیلانا چاہیئے۔ (گلا رُندھ جاتا ہے)
نہیں نہیں میں اپنا آنچل اس کالے بھجنگ براہمن کے آگے کبھی نہ پھیلاؤں گی ———
میں پریم کے بندھن آپ کے پاؤں میں ڈال دوں گی۔ آنسوؤں کے ساگر آپ اور
آپ کی نیتی کے درمیان بادھک بنا کر پھیلا دوں گی ———

چندر گپت۔ یوں پگلی نہ بنو، درُدھر!.... ارتھ شاستر نے مجھے آنسوؤں کے ساگر کو پاٹنا سکھا
دیا ہے.... اچھا، میں چلتا ہوں......
(مہاراج دائیں طرف جاتے ہیں۔ درُدھر شیّا پر اپنا منہ چھپائے
سسکیاں لے رہی ہے جب کہ پردہ گر جاتا ہے)

دُوسرا منظر

رنگ بھومی کا وشرانتی ستھان۔ سامنا دروازہ رنگ بھومی میں کھلتا ہے جہاں گو آدھیا کش رتھوں کی دوڑ کروا رہے ہیں۔ دروازے سے لوگوں کی آوازیں آتی ہیں جو کبھی مدہم اور کبھی اونچی ہو جاتی ہیں۔ کبھی کبھی راج دُوت کسی راجے یا راجکمار کے آنے کی خبر دیتا ہے۔ شور میں رتھوں کے دوڑنے کی آواز بھی شامل ہے۔ ایکا ایک لوگ یوں بول اُٹھتے ہیں جیسے کسی جیتتے ہوئے رتھبان کا جے جے کار کر رہے ہوں۔

(گھنٹے کی آواز)

دُوت۔ راج راجیشور، چکرورتی سمراٹ شریمان مہاراج چندرگپت اور مہارانی درُدھر رنگ بھومی میں پدھارتے ہیں۔

(شور)

(گھنٹے کی آواز)

دُوت۔ راج راجیشور شریمان مہاراج پرِ دتک اور کماری انورادھا

(زیادہ شور)

(گھنٹے کی آواز)

دُوت۔ راجکمار بندوسار، راجکمار ملیہ کیتو

(شور)

(گھنٹے کی آواز)

دُوت۔ مہامنتری چانکیہ

(بہت زیادہ شور)

اس عرصے میں وشرانتی ستھان میں انگ رکھشکائیں ڈری سی کھڑی رہتی ہیں۔ کبھی کبھی ایک دوسری کو اشارہ کر لیتی ہیں۔ کچھ دیر بعد وہی شور پھر سنائی دیتا ہے اور رتھوں کے پہیوں کی گڑگڑاہٹ اور بھی اونچی ہو جاتی ہے۔

ایک پل بعد چانکیہ وشرانتی استھان میں سامنے دروازے سے داخل ہوتے ہیں۔ دُبلے پتلے اور لمبے انسان ہیں۔ رنگ کالا، گال اندر کو پچکے ہوئے ہیں۔ آنکھوں میں شک اور تجسس کی جھلک ہے ایک ہاتھ سے اپنی ٹھوڑی کھجاتے ہیں اور دوسرے ہاتھ کے انگوٹھے کو اضطراب کے عالم میں مینو پر پھیرتے ہیں۔ پھر دونوں ہاتھوں سے سر پر کی لمبی چُٹیا کو گانٹھ دیتے ہیں۔ اور دروازے کی طرف جھانکتے ہیں۔ انگ رکھشکاؤں کے پران خشک نظر آتے ہیں........

تھوڑی دیر بعد مہاراج چندرگپت وشرانتی ستھان کے سامنے دروازے میں کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ ابھی تک رنگ بھومی میں بیٹھی ہوئی دردُھرسے باتیں کر رہے ہیں......

چندرگپت۔ (طفلانہ انداز میں) دونوں مُسول میں غائب ہیں! ــــــ رتھ ادر مہانندی! دردُھرسے کیا تمہیں نظر آ رہا ہے؟

چانکیہ۔ مہاراج! مجھے آپ سے کچھ کرنا ہے۔

چندرگپت۔ کیا کوئی بہت ضروری بات ہے مہامنتری چانکیہ؟ اس سمے میرا مہانندی رنگ بھومی میں ہے ــــــ وہ دوڑ رہا ہے ــــــ وہ دیکھو وہ تو دُھول میں غائب ہیں

چانکیہ۔ مہاراج مجھے سمے کے انوسار کچھ پرارتھنا کرنی ہے۔ کچھ دیر کے لئے ادھر وشرانتی ستھان میں آئیے ــــــ ہاں، مہاراج!

(مہاراج اندر آتے ہیں)

چندر گپت - آج موسم بھی تو کتنا خراب ہے مہامنتری! سوریہ اپنا سارا تیج پاٹلی پتر پر ہی ختم کر دے گا کیا؟

چانکیہ - یہ پرماتما کی دیا اور ورشا کا انومان ہے۔

چندر گپت - ستھان کے کواڑ بند کر لو۔ انگ رکھشکا! خیال رکھنا، کوئی ادھر نہ آنے پائے۔

چانکیہ - اس کی دیکھ بھال میں نے پہلے ہی کر لی ہے مہاراج! میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کے مہانندی کو آج وجے پراپت نہیں ہوگی۔

چندر گپت - مہانندی کو وجے پراپت نہیں ہوگی؟ ــــ میرا مہانندی اوشیہ وجئی ہوگا! پرونک کا بیل پہلے ہی چکر میں بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ یہ جیوتش ودیا تم نے کب سیکھی؟

چانکیہ - یہ جیوتش نہیں مہاراج! میں یہ سب کچھ اپنی بدھی کے بل بوتے پر کہہ رہا ہوں۔ جو میں نے اپنی تپسیا کے بعد پراپت کی ہے۔

چندر گپت - اگر مہانندی رنگ بھومی میں ہار بھی جائے تو کیا ہے۔ مجھے ایک اچھے کھلاڑی کی طرح پرونک کو بدھائی دینی چاہیئے۔

چانکیہ - (زور سے) یہ سنبھو ہے ــــ یہ نہیں ہوگا، پاٹلی پتر کے مہاراج کو لوگوں کے من کا ویر ہونا چاہیئے۔ یہ اس کے لئے ایسے ہی ضروری ہے جیسے جیون کے لئے سانس لینا۔ دنیا جیتنے والے کا ساتھ دیتی ہے۔ ہارنے والے کا نہیں۔

چندر گپت - مہامنتری، ہمیں رنگ بھومی کی وجے اور پاٹلی پتر کی وجے دونوں کو گھال میل نہیں کرنا چاہیئے۔

چانکیہ - مہاراج! پاٹلی پتر نواسیوں نے آپ کے آنے پر اتنا شور نہیں مچایا جتنا پرونک کے آنے پر۔ اس بات پر میرا ماتھا ٹھنکتا ہے۔

چندر گپت - (ہنس کر) لوگ استھر اور من موجی ہوتے ہیں۔

چانکیہ ۔ (کرودھ سے) مہاراج! آپ نہیں جانتے کہ رنگ بھومی کی وجہ پاٹلی پتر کی وجہ سے کہیں زیادہ ضروری ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں اس وقت آپ کو بری خبر سنانے آیا ہوں ۔

چندرگپت ۔ بری خبر! ـــــ میں اس کے لئے تیار ہوں ۔ ٹھہرو مجھے چبوترے سے ایک دفعہ مہانندی کو دیکھ لینے دو ۔

(چندرگپت کے قدموں کی آواز کے ساتھ ہی یک لخت شور سنائی دیتا ہے جیسے انہوں نے کمرے کے بند کواڑ آناً فاناً کھول دیئے ہوں ـــ شور مدہم ہو جاتا ہے گویا مہاراج واپس آتے ہیں)

چندرگپت ۔ دوسرے چکر میں بھی مہانندی آگے ہے اور پروتک کے رتھ کا نشان تک نہیں ملتا ۔ ہا ہا ہا ـــــ!!!

چانکیہ ۔ یہ پرسنتّا کارن ہے مہاراج! ابھی چھ چکر باقی ہیں ۔ تھوڑی ہی دیر میں آپ میرے کتھن کی ستیتا کو جان لیں گے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں دراصل آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ مہاراج پروتک کے کانٹے کو ہمیں ہمیشہ کے لئے دُور کر دینا ہوگا ۔

چندرگپت ۔ (زمین پر پاؤں مار کر) کیا مطلب ہے تمہارا؟ سب کچھ ہوگا مہامنتری لیکن پروتک کا بال بھی بینکا نہ ہوگا ۔ اس سے پہلے میں نے آنکھیں موند کر تمہاری سب باتیں مانی ہیں لیکن اب میں تمہارے ہاتھوں کٹھ پتلی بننا نہیں چاہتا ـــــ میرے کچھ پرشنوں کا اُتر دو ـــــ یہ رنگ بھومی، یہ سنہری ستون اور اس کے کلس کس نے بنائے ہیں؟

چانکیہ ۔ کلاکاروں نے ۔

چندرگپت ۔ لیکن ان کا سوامی کون ہے؟

چانکیہ ۔ مہاراج چندرگپت ۔

چندر گپت۔ اس نیم اور نیتی کا رچیتا کون ہے؟

چانکیہ۔ داس ——— منتری چانکیہ

چندر گپت۔ ان کا لاگو کرنے والا یا نہ کرنے والا کون ہے؟ پرلیشد، اماتیہ، دیوہارک، سمہرت کس کے اشارے پر چلتے ہیں؟

چانکیہ۔ نیتی کے لاگو کرنے والے آپ ہیں۔ سب دیوہارک آپ کے اشارے پر چلتے ہیں۔ لیکن ان کے بیوہار کے ارتھ جانے بنا آپ ایک پگ بھی نہیں چل سکتے۔ اور ان کے ارتھ جاننے کے لئے داس کو مہامنتری بنایا گیا ہے ——— میں یونہی کچھ بھاوناؤں کے ادھار ایسے نتیجے پر نہیں پہنچ جاتا مہاراج! ——— یہ چانکیہ نیتی ہے۔ ارتھ شاستر نیتی، جس میں کوئی سنکلپ وکلپ نہیں ہو رہے ایک راج میں تہیں سما سکتے اور (قطعیت سے) جب تک چانکیہ یہاں ہے نہیں سمائیں گے۔

چندر گپت۔ (بلند آواز میں) چانکیہ! میں جانتا ہوں کہ تم راج دربار کے مان کی کچھ برابر پروا نہیں کرتے۔ تم جانتے ہو کہ میں براہمن ہتیا کا پاپ مول لینا نہیں چاہتا۔ لیکن تم بھول میں ہو چانکیہ ———

چانکیہ۔ میں آپ کی بھاوناؤں کو سمجھتا ہوں ورشل! لیکن مجھے اپنے جیون کی پروا نہیں میرا آدرش ایک بڑا راجیہ قائم کرنا تھا۔ سو میں نے اپنے آدرش کو پورا کر لیا ہے۔ مجھے صرف افسوس ہوگا کہ یہ راجیہ نادان ہاتھوں میں جا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور بس ——— جب تک چانکیہ پاٹلی پتر میں موجود ہے وہ پرونک کو یہاں نہیں رہنے دے گا ——— (بلند آواز میں) نہیں رہنے دے گا۔

چندر گپت۔ (کچھ ڈھل کر) تمہیں اچھی طرح سے گیان ہے مہامنتری کہ یونانیوں کے ٹڈی دل اور اس کے بڑے سیناپتی سیلوکس کو پرونک کی مدد سے کھدیڑا گیا۔ تم جانتے ہو کہ نند کو پرونک کی وجہ سے شکست ہوئی۔ دوسرے راجواڑوں کو پرونک کے ساتھ

مل کہہ رہا بابا۔ کیا تم پروتنک کو میرے ہاتھوں مروا کر مجھے دشواس گھاتک بھی بنانا چاہتے
ہو ؟ کیا تمہارا ہی یہ اچھا ہے کہ میں اس فنشیہ کے لہو سے ہاتھ رنگوں جس کی وجہ سے
میں اس سنگھاسن پر براجمان ہوا ؟

چانکیہ۔ جو ہاتھ آپ کے سر پر تاج رکھ سکتے ہیں وہ اُتار بھی سکتے ہیں۔ اگر مہاراج پروتنک
ایسا کرنے سے چوک بھی گئے تو اُن سے بڑھ کر کوئی مورکھ نہ ہوگا۔ انہوں نے
ایسا نہ کیا تو اُن کا پُتر ملیہ کیتو اپنے پتا کے ادھورے کام کو پورا کرنے میں تن من لڑا
دے گا۔ وہ اسے اوشیہ کرے گا ــــ اوشیہ! پرنتو وہ ابھی چھوٹا ہے۔
ہمارے راجکمار بندوسار سے بھی چھوٹا۔

چندر گپت۔ (شاہانہ ضد اور غصے سے) مہامنتری چانکیہ! اس سنسار میں سب کچھ سنبھو
ہے لیکن پروتنک کی موت ان ہاتھوں سے سنبھو نہیں۔ اُس سے میں ایسے ہی
پریم کرتا ہوں جیسے اپنے بندوسار سے۔ پروتنک میرے ہی شریر کا ایک انگ ہے۔

چانکیہ۔ جس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ وہ آپ کی مرگ نینی انورادھا سے پریم کرتا ہے رنگ
بھومی میں انورادھا پروتنک کی اچھا انوسار اس کے دائیں طرف بیٹھی ہے۔ میں شوک
سے کہتا ہوں کہ میرے شسش مہاراج چندر گپت ابھی تک بھاوناؤں کے سنسار
میں براج رہے ہیں۔

چندر گپت۔ ٹھہرو مجھے ایک نظر مہانندی اور رنگ بھومی پر ڈال لینے دو۔
(پھر یک لخت شور بلند ہوتا ہے۔ کیونکہ کمرے کے کواڑ ایکا ایکی کھول دیئے گئے
ہیں۔ ایک نظر دیکھنے کے بعد مہاراج کواڑ بند کر دیتے ہیں)

چندر گپت۔ انورادھا ــــ ! ــــ انورادھا پروتنک کے ساتھ بیٹھی ہے! ــــ
لیکن مہامنتری چانکیہ۔ مجھے اس بات کی کلپنا سے بھی سبھے آتا ہے۔ کہ میں ان ہاتھوں
سے یہ اپرادھ کروں۔ یہ کبھی نہیں ہوگا۔ پروتنک کا خون ان ہاتھوں سے نہیں ہوگا۔

اس کے چنتن ہی سے میرے شریر میں ایک کمپن سا پیدا ہو جاتا ہے۔ یہ مہا پاپ ہے ——
یہ گھور اپرادھ ہے۔

چانکیہ۔ اس پاپ اور پُنیہ کا پھل مجھے لینے دیجئے —— مجھے، جو اس پاپ اور پُنیہ سے اوپر ہے
آج سے ہزاروں سال پہلے مہاراج کی طرح ارجن نے بھی اپنا گانڈیو دھرتی پر ڈال دیا تھا۔ اس لئے کہ اُسے رن بھومی میں اپنے ہی بھائی بندھو، باپ دادا نظر آتے تھے۔ لیکن بھگوان کرشن نے گیتا اُپدیش سے اُسے پاپ پنیہ کی اوستھا سے اوپر اٹھا دیا۔ آج پھر گانڈیو کو دھرتی پر ڈال دیا گیا۔ جس کے لئے میں گیتا نہیں اور بھو شاستر مہاراج کے سمکھ رکھتا ہوں۔

چندر گپت۔ پر ونک جو کچھ ہے اپنی سینا کی وجہ سے ہے۔ کیوں نہیں اس کی سینا کو اپنی عقل کے چکر ویوہ میں ڈال دیتے؟ اُس کے سرداروں کو سُندر بالاؤں کی بھجاؤں میں دے کر اُن کا یا ہو بل کیوں نہیں توڑ دیتے؟ اس کے بعد پر ونک کا باقی رہ ہی کیا جاتا ہے؟ —— (کانپتے ہوئے) نہیں نہیں! میں پر ونک کو مارنے کی کلپنا نہیں کر سکتا۔

چانکیہ: مہاراج! ایک بڑے اُدّیش کے سامنے پر ونک کوئی مُولیہ نہیں رکھتا۔ وہ کیول شطرنج کی ایک گوٹ ہے۔ آپ کو اُنتی کی سیڑھی پر چڑھنا ہے اس کے لئے ایک پر ونک تو کیا اگر آپ کو ہزاروں پر ونک بھی مارنے پڑیں تو بھی آپ کو سنکوچ نہیں کرنا چاہیئے۔

چندر گپت۔ (غور کرتے ہوئے) ہزاروں پر ونک! —— اس کے لئے جو ایک پر ونک کو مارنے سے بھی گھبراتا ہے۔

چانکیہ۔ آپ نہیں سمجھتے مہاراج! جب آپ کو چھت پر جانا ہوتا ہے تو آپ کو اس بات کا خیال نہیں ہوتا کہ آپ کے پاؤں تلے جو سیڑھی ہے وہ دیودار کی ہے یا آبنوس کی۔ سمراٹ کو سروسرلیشٹ ہوتے ہوئے اس بات کا خیال نہیں ہونا چاہیئے کہ اس کے پاؤں تلے کھوپریاں ہیں یا اینٹ اور پتھر —— (... سادر مصمم آواز میں) اور سمراٹ چندر گپت

کو یہ بھی جاننا چاہیئے کہ دوسری سیڑھی ہمیشہ پہلی سیڑھی سے اونچی ہوتی ہے.....

(راج دُوت بھاگا ہوا آتا ہے)

راج دُوت: مہاراج ——— مہاراج!

چندر گپت: (گھبرا کر) کہو دُوت کیا ہوا۔ کیا خبر لائے ہو؟

راج دُوت: (گھبرا کر) مہاراج پانچویں چکر میں مہانندی پیچھے رہ گیا۔

چندر گپت: مہانندی پیچھے رہ گیا؟ ——— مہامنتری چانکیہ ———

راج دُوت: ہاں مہاراج چھٹے چکر میں اس کے مُنہ سے خون کے ڈکلے آنے لگے۔ اور جب وہ چھٹا چکر سمپورن کر رہا تھا ———

چندر گپت: چھٹا چکر سمپورن کر رہا تھا تو ———؟

راج دُوت: مہانندی گرا اور گرتے ہی اُس نے پران دے دیئے ———

چندر گپت: پران دے دیئے ——— مہانندی مر گیا؟ ——— راج دوت!!

راج دُوت: اور اب وہ رنگ بھومی کی دائیں طرف ایک پتھر کے ٹکڑے کی طرح سرد اور سخت پڑا ہے۔

چانکیہ: اور یہ چندر گپت پر وِنک پریم کی دوسری بلی ہے۔ مہانندی کو کوار گھاس کھلائی گئی جس سے اس کی انتڑیاں کٹ کٹ کر باہر آئیں اور اس نے پران تیاگ دیئے۔

چندر گپت: مہامنتری چانکیہ! کیا یہ تمہیں سب کچھ پہلے معلوم تھا؟ ——— ہمارے پریم میں یہ دوسری بلی کیسے ہوئی؟

چانکیہ: پہلی بلی مرگنینی انورادھا ہے۔

چندر گپت: اوہ چانکیہ! آج سے پہلے میں اپنے آپ کو ایک سمراٹ سمجھتا تھا۔ لیکن مجھے انوبھو ہوتا ہے کہ میں ایک انسان بھی ہوں۔

چانکیہ: اور اسی میں سمراٹ کی ہار ہے۔

چندرگپت: اس سمے مجھے اپنی ہار کا آبھاس دینا اچھا نہیں چانکیہ۔ میرا سب سے زیادہ
پیارا چاندی رنگ بھومی میں مرا پڑا ہے ـــــ دوت کے کہنے کے مطابق، "ایک
پتھر کے ٹکڑے کی طرح سرد اور سخت!!!" اور پھر انورادھا ـــــ ؟ (کچھ سوچ کر)
چانکیہ! پرونگ بیچارہ نردوش ہے اگر وہ انورادھا کی سی سندری کو چاہنے لگا ہے۔
تو یہ ایک سوابھاوک بات ہے۔ لیکن انورادھا ـــــ تم انورادھا کو ٹھکانے کیوں
نہیں لگا دیتے؟ اُسے کیوں نہیں ختم کر دیتے ـــــ ؟ (لہجہ بدل کر) اس وقت
سمراٹ چندرگپت بول رہا ہے، چانکیہ!

چانکیہ: (دیوانہ وار ہنستا ہے) پرونگ کو مرنا ہوگا ـــــ اور ساتھ انورادھا کو بھی ـــــ
سمراٹ چندرگپت ہا ہا ہا ـــــ!!!

چندرگپت: مجھے بہت زیادہ نہ ڈراؤ۔ چانکیہ! تم جو جی چاہے کرو۔ لیکن میرے ہاتھ
کو پرونگ کے خون سے بچاؤ، میں تمہاری منت کرتا ہوں۔

چانکیہ: آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے مہاراج! میں عرصہ سے انورادھا کو بس پر پال رہا
ہوں اور پرونگ اُسے چاہتا ہے ـــــ

چندرگپت: (سخت حیران ہو کر) تم نے یہ کب سے شروع کیا ہے؟

چانکیہ: جب سے آپ پاٹلی پتر کے تخت پر مہاراج پرونگ کی مدد سے بیٹھے ہیں.....

چندرگپت: (بلند آواز میں) چانکیہ!

چانکیہ: ہاں مہاراج! انورادھا کی پرونگ سے شادی ہو گی۔ اس وقت آپ چاندی کو مرگھٹ
میں لے جانے کے لئے اُٹھے تھے ـــــ

(چندرگپت غم اور فکر میں بسے ہوئے سامنے دروازے کی طرف آہستہ آہستہ
بڑھتے ہیں۔ پیچھے چانکیہ کے پینے نکلے، معصوم قدم بڑھتے ہیں ہلکی ہلکی دردناک
ٹیون کے ساتھ پردہ گر جاتا ہے)

تیسرا منظر

انورادھا کا گھر ـــــ اُس کے یوون کا مادھوی کنج!

سنگار کی چیزوں کے ساتھ ہی پلنگ پڑا ہے جس کے کنارے ایک جڑاؤ تھال میں دُھوپ اور ملیان جل رہے ہیں۔ ملیان کی لو اور انورادھا ایک دوسرے کے متوازی کھڑے ہیں جیسے جیسے انورادھا ہلتی ہے ملیان کی لو بھی ہل جاتی ہے۔

انورادھا انیس بیس کی ایک بے چین یُوتی ہے۔ اس کی جوانی سرما کی ٹھنڈی آگ کی طرح ہے ـــــ کوئی دُور ہٹے تو جم جاتے قریب آجاتے تو جل جاتے۔ اس وقت انورادھا نے اپنے لمبے لمبے کیش کندھے پہ رکھے ہیں۔ یوں معلوم ہوتی ہے جیسے صندل کے پیڑ پہ شہد کا چھتہ ہے ...... ایک بھنبھناہٹ گنگناہٹ کے ساتھ معطر آواز آتی ہے ـــــ

(دھن کھیلی تال کہروا)

آج اس یوون کے مادھوی کنج میں کوکل بول رہا

مدھوپی کہہ پاگل ہوا کرتا پریم پرلاپ

شتھل ہوا جاتا ہردیہ جیسے اپنے آپ لاج کے بندھن کھول رہا

پھیل رہی ہے چاندنی چھوی متوالی رات

کہتی گیت ادھر سے یہ کانے کی بات! کون مدھو مدرا گھول رہا

(دروازہ تھپتھپایا جاتا ہے جس کے ایک پل بعد ایک انگ رکھشکا اندر آتی ہے)

انگ رکھشکا: کماری انورادھا!

انورادھا: کون ہے؟ ـــــ دیو یانی تم ہو ـــــ کہو کیا ہے؟

انگ رکھشکا: مہارانی درُدھر پدھارتی ہیں ــــ انہیں آپ سے ملنے کی اچھا ہے۔

انوارُدھا: کون؟ ــــ مہارانی درُدھر؟ ..... میرے سوبھاگیہ! میں آتی ہوں ــــ

(سب کام چھوڑ چھاڑ دروازے کی طرف بڑھتی ہے اور بڑی عزت سے مہارانی کو اندر لاکر بٹھا دیتی ہے۔ انگ رکھشکا باہر چلی جاتی ہے۔ دروازہ کھلتے ہی دور سے ہون یگیہ اور منتروں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں)

انوارُدھا: مہارانی! داسی پرنام کرتی ہے۔

درُدھر: انورادھا! میں تمہارے درشن کرنے آئی ہوں۔

انورادھا: (حیرانی سے) میرے درشن؟ ــــ (ہنستی ہے) مہارانی میں بڑی بھاگیہ شالی ہوں۔

درُدھر: میں تم سے ایرشا کرتی ہوں انورادھا یہ جان کر شاید تم بہت حیران ہوگی۔

انورادھا: ایرشا؟ مہا سمراٹ چندر گپت کی پتنی ایک تچھ جیو انورادھا سے ایرشا کرتی ہے آپ مجھے بنا رہی ہیں مہارانی!

درُدھر: یہ میرا دُربھاگیہ ہے کہ تم یوں سمجھتی ہو۔ میں خوش ہوں کماری انورادھا کہ تم ایک سمراٹ سے نہیں بیاہی جا رہیں۔ ایک منشیہ سے بیاہی جا رہی ہو ــــ پرونک سے جو تمہیں دل سے پریم کرتا ہے تم اس شادی پر خوش ہونا؟

انورادھا: میں بھلا خوش کیوں نہ ہوں گی، مہارانی!

درُدھر: میرے من میں پرونک کی بہت عزت ہے۔ وہ پریم کرنا جانتا ہے۔ لیکن وہ نہیں جانتا ان چند گھڑیوں میں اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے .....

انورادھا: (گھبراتی ہے اور اس کے سر کے بال بکھر جاتے ہیں) یہ آپ نے کیا کہا؟ مہارانی جی! ان چند گھڑیوں میں اُن کے ساتھ کیا ہونے والا ہے؟

درُدھر: میں تم پر ستیہ کا بھید کھولنے آئی ہوں، انورادھا! تم سہاگ کی رات دیکھنے نہ پاؤگی!

انورادھا: مہارانی جی!

درُدھر: ہاں انورادھا! میں یہ سب کچھ اس لئے کہہ رہی ہوں کہ میں پرونک کو ایک مہان آتما سمجھتی ہوں اور میں نہیں چاہتی تمہارے ساتھ چھو کر وہ مرتیو کو پراپت ہو جائیں۔

انورادھا: میرے ساتھ چھو کر مرتیو کو پراپت ہو جائیں گے ؟...... یہ کیوں ہو جائے گا۔ مہارانی جی ؟ کیا میں ایسی دُوبھاگنی ہوں کہ میرے انگ سے انگ ملا کر مہاراج۔ میں مہاراج پرونک سے پریم کرتی ہوں اور آپ پریم کو سراُوچ بھاونا سمجھتی ہیں۔ اس پریم کی سوگند دیتی ہوں مجھے سب کچھ کہہ سنائیے! اس بات کا کوئی اُپائے بتا دیجئے۔

درُدھر: بھولی لڑکی ـــــ تم نہیں جانتیں کہ برسوں سے تمہیں کھانے کے ساتھ زہر دیا جاتا رہا ہے اور اب وہ زہر تمہاری نس نس میں دیاپت ہو چکا ہے۔ تمہارے انگ سے انگ ملاتے ہی مہاراج پرونک مرتیو کو پراپت ہو جائیں گے۔ اُپائے یہ ہے کہ تو بیاہ سے پہلے یہ بات ان کے کانوں تک پہنچا دے تاکہ وہ اپنے آپ کو بچا سکیں۔ پرونک ابودھ ہیں انہیں اس بات سے سچیت کر دینا چاہیئے۔

انورادھا: (رو کر) اوہ! یہ کس نے کیا؟ ـــــ کیا مجھے اب تک زہر پہ پالا گیا؟ مجھے وشواس ہے یہ سب کچھ مہاراج چندرگپت نے نہیں کیا؟

درُدھر: اس زہر کو تمہارے شریر میں دیاپت کرنے والا وہی نشنک ہے۔ جسے لوگ مہامنتری چانکیہ کہتے ہیں۔

انورادھا: (سوچ کر ـــــ اور غصے میں) تبھی میرا دل اور دماغ ایک نہ بجھنے والی اگنی میں جلا کرتے تھے۔ تبھی میری آنکھوں سے ہر سمے ایک جوالا سی نکلا کرتی تھی ـــــ

درُدھر: ہم سب مہامنتری چانکیہ کے ہاتھوں میں کھیلنے والی کٹھ پتلیاں ہیں، کون کہہ سکتا ہے مہانندی کو پرونک نے مارا ہے ۔ ۔ ۔ ۔

انورادھا: مہاراج پرونک ابودھ ہیں مہارانی! اُن کے ہاتھوں سے کوئی ایسی بات ممکن

نہیں... لیکن مہارانی جی! میں اپنے پریمی کو نہیں مرنے دوں گی۔ میں ہون کنڈ کے
پاس پہنچتے ہی مہاراج پرونتک کو سب کچھ بتا دوں گی ....
میں انہیں مہامنتری چانکیہ کے پھیلائے ہوئے جال میں نہیں پھنسنے دوں
گی ——

درُدھر: میں اسی بات کا گیان پیدا کرنے کے لئے تمہارے پاس آئی ہوں۔

انورادھا: لیکن مہارانی

دُردھر: لیکن کیا؟

انورادھا: میں مہاراج پرونتک کو بچا دوں گی —— لیکن مہارانی میرا کیا ہوگا، میں جیون
میں کوئی سُکھ نہ دیکھ پاؤں گی۔ میری کوئی اُمنگ پوری نہ ہوگی۔ ابھی میرا من پریم
پر لاپ کر رہا تھا —— اور ابھی.......

(ایک ہلکی سی تھپتھپاہٹ کے بعد دروازہ کھلتا ہے راج دوت اندر آتا
ہے۔ ساتھ ہی منتر دل اور ہون یگیہ کی آوازیں سُنائی دیتی ہیں۔)

راج دوت: کُماری انورادھا! —— یہ ہار مہامنتری چانکیہ نے بھیجا ہے۔

دُردھر: مہامنتری نے جے مال بھیجی ہے۔

انورادھا: (روتے ہوئے) مہامنتری نے وِیَدھویہ کا سندیش بھیجا ہے۔ پہلی
رات ہی دُر بھاگ کی رات ہوگی (جے مال لے لیتی ہے) لیکن مجھ سے کوئی
میرا سہاگ نہیں چھین سکے گا —— کوئی نہیں چھین سکے گا۔ مہارانی میں آپ کے
پاؤں پڑتی ہوں۔ آپ نے اتنا بڑا اُپکار کیا ہے کہ میں اسے جنم جنم نہیں بھول
سکوں گی۔

(انگ رکھشکا آتی ہے)

انگ رکھشکا: مہارانی جی! —— مہاراج آپ کو اور کماری انورادھا کو یاد کر رہے ہیں۔

کماری جی کُنڈ کے قریب پہنچے.....

انورادھا: میری پریکشا کا سمے آگیا ــــــ مہارانی جی!

درُدھر ــــــ چلو انورادھا! بھگوان تمہیں بل دیں!

(کماری انورادھا اور مہارانی درُدھر دروازے کی طرف بڑھتی ہیں۔ پردہ گرنے سے پہلے منتروں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں)

چوتھا منظر

منڈپ

منڈپ کے دائیں طرف لوگ بیٹھے ہیں شاید ان میں ملیہ کیتو اور بندوسار بھی ہیں۔ بائیں طرف منڈپ سے ذرا پرے مہاراج چندر گپت اور مہامنتری چانکیہ ایک تخت پوش پر براجمان ہیں۔ پردہ اُٹھنے پر مہارانی دُردھر مہاراج چندر گپت کے پہلو میں آبیٹھتی ہیں۔

درمیان میں ہون کُنڈ کے دو طرف براہمن گھرت اور سامگری کنڈ میں پھینک رہے ہیں۔ ایک طرف مہاراج پرونک شادی کا بسندوری جوڑا پہنے بیٹھے ہیں آگ کے قریب ہونے کی وجہ سے اُن کا چہرہ بھی بسندوری ہو رہا ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ کچھ دیر بعد کماری انورادھا جے مال لئے آہستہ آہستہ آتی ہے۔

منڈپ کے چاروں طرف زبردست پہرہ ہے۔

چندر گپت: (انورادھا کو دیکھ کر) چانکیہ

چانکیہ: مہاراج!

چندر گپت: انورادھا —— کیسے شرد رِتو کے بادل کی طرح آہستہ آہستہ چلی آ رہی ہے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ کتنی سُندر دکھائی دیتی ہے، کتنی سُندر اور پرونک ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

چانکیہ: (استہزا سے) دو بُرے ہی مل رہے ہیں! (ہنستے ہیں)

(پھر منتروں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں)

انورادھا: (آہستہ آوازیں) مہاراج!

پرونک: انورادھے!

انورادھا: مہاراج! مجھے آپ سے ایک بات کہنا ہے۔ جو شاید آپ کو آج تک نہیں
معلوم۔

پرونک: کہو پریہ

انورادھا: (رُندھے ہوتے گلے سے) میں یہ سہن نہیں کر سکتی۔ پرماتما میرے سہاگ کو امر
رکھے۔ مہاراج! مجھے برسوں سے بس پہ پالا جا رہا ہے ——— میں وش کنیا ہوں۔
آپ میرے شریر کو چھو کر . . . .

پرونک: (ہنستے ہوتے) . . . . . . باؤلی! . . . . . . انورادھے! کیا تم سمجھتی ہو کہ پرونک ان
باتوں کو نہیں جانتا؟

انورادھا: مہاراج ——— آپ ان باتوں کو جانتے ہوتے بھی؟ . . . . . . مہاراج! مہامنتری
چانکیہ آپ کو اپنے راج پاٹ کی بھینٹ چڑھا رہے ہیں!

پرونک: (پھر ہنستا ہے) اور پرونک راج پاٹ کو پریم کی بھینٹ چڑھا رہا ہے۔ انورادھے!
آؤ، ان راج پاٹ کے لوبھیوں کو بتادیں کہ پریم پر جیون نچھاور کرنا پڑی ایک
تُچھ وستو سمجھتے ہیں . . . . . . آؤ، مجھے اپنا ہات دو ———

انورادھا: مہاراج آپ نے راج پاٹ . . . . . .

پرونک: راج پاٹ کے لئے میں نے لڑنا ملیہ کیتو کو سونپ دیا ہے . . . ملیہ کیتو اُن
سب باتوں کو سمجھتا ہے ———

انورادھا: (آواز میں رقت ہے) مہاراج! آپ نے میری آنکھیں کھول دی ہیں۔ میں اپنا
ہات آپ کے ہات میں دیتی ہوں . . . . مجھ ایسا سہاگ نہ کسی کو ملا ہے نہ ملے گا۔

(پھر منتروں کی آوازیں آتی ہیں۔ انورادھا اپنا ہاتھ پرونک کے ہاتھ میں
دینے سے پہلے اُن کے گلے میں جے مال ڈال دیتی ہے . . . . . . پھر

آگ کے سامنے بیٹھے ہونے کی وجہ سے زہر پروتک کے جسم میں سرایت کر جاتا ہے ـــــ آناً فاناً پروتک لوٹنے لگتے ہیں)

انگ رکھشکا: مہاراج پروتک لوٹنے لگے!

راج دُوت: مہاراج پروتک!

انورادھا: سوامی!

درُدھر: مُکتشا کے اوتار، مہاراج پروتک کی جے! (چندر گپت سے) مہاراج آپ نے دیکھا؟

چندر گپت: ہاں مہارانی، میں نے دیکھا (اُٹھ کر) پریم پر بلیدان دینے والے پروتک، تیری جے!

چانکیہ: پہرہ دارو، ملیہ کیتو کو گھیرے میں لے لو۔۔۔۔ دوپڑ ہی!۔۔۔۔۔۔ ہاہاہا!!۔۔۔۔ دیوانے۔۔۔۔۔ پاٹلی پتر سمراٹ کی جے!

(منظر پر فوراً پردہ گر جاتا ہے)

کھیل "چانکیہ" کے چند ہندی الفاظ کا ترجمہ ذیل میں دیا گیا ہے

انشچت	بے یقین	ہستادھاکش	ہاتھیوں کے محکمے کا مہتمم
شِشو	بچہ	اسوادھیاکش	گھوڑوں کے محکمے کا مہتمم
جننی	ماں	رتھ آدھیاکش	رتھوں کے محکمے کا مہتمم
بادھک	حائل	وشرانتی ستھان	آرام گاہ
آشنکا	شک وشبہ	رنگ بھومی	کھیل کا میدان
سندیہہ	شک	انومان	پیش خیمہ
سرو اُچ اوستھا	سب سے اُونچی منزل	اسنبھو	ناممکن
کُٹل	جھوٹا	استھر	سیمابی۔ایک جگہ قائم نہ رہنے والے
کٹھور	سخت دل	اکارن	فضول، بے فائدہ
گھرنا	نفرت	ستیا	سچائی
درشن	نقطۂ نظر	اماتیہ	مشاورتی وزراء
تتوگیان	فلسفہ	دیہوہارک	کارکن
سدھانت	کُلیہ	سمرت	ریاست سے مختار
اپواد	استثنیٰ	ودشل	راجے کا خطاب
مرتیو ڈنڈ	موت کی سزا	گانڈیو	ارجن کی کمان
پریشد	قانون ساز مجلس	چکرویوہ	نرغہ جس میں کوروؤں کی فوج نے ویرابھیمنیو کو گھیر لیا تھا
گوآدھیاکش	گائے بیلوں کے محکمے کا مہتمم		
نوآدھاکش	جہازوں کے محکمے کا مہتمم		

اُدّیش	مقصد	مدُھو مدرا	میٹھی شراب
اُنتی	ترقی	بھاگیہ شالی	اچھی قسمت والی
سہنسروں	ہزاروں	ایرشا	حسد
سنکوچ	احتراز	تُچھ جیو	بے بضاعت ہستی
مرگ نینی	ہرن کی سی آنکھوں والی	ابودھ	بے قصور
آبھاس دینا	جتا دینا	سچیت	آگاہ
یُوتی	نوجوان لڑکی	ویدھویہ	بیوگی، ددھاگ
کوکل	کوئل ۔ پنچھی	شردرِتو	سردیوں کا موسم
مدہو	شراب	امر	غیر فانی
کمپت ادھر	کانپتے ہوئے ہونٹ	لوبھی	لالچی

تلچھٹ

ماں ، ایک بیوہ عورت جس نے یوگ کو پالا ہے
یوگ ، ایک "یتیم" لڑکا
بجو تن کی ماں ، محلے کی ایک عورت
شری پت رائے ، یوگ کا باپ

منظر

ایک معمولی سا کمرہ، جس میں سامان قدرے بے ترتیب پڑا ہے۔ مثلاً ایک کرسی پڑی ہے تو اس کے بازو پر دھوئے جانے والے کپڑے رکھے ہیں۔ پلنگ کے قریب ایک تھال پڑا ہے جس کا مطلب ہے ابھی کسی نے کھانا کھایا ہے لیکن برتن نہیں اٹھوائے۔ الگنی پر ایک چھتری لٹکی ہوئی ہے جس کی کانپیں نظر آ رہی ہیں وغیرہ۔

درمیان میں ایک سلائی کی مشین ہے جس کے ارد گرد کترنیں بکھری ہوئی ہیں۔ اس کمرے میں کھڑے ہونے سے نظر رسوئی میں جاتی ہے۔ رسوئی بھی دراصل اسی کمرے کا ایک حصہ ہے لیکن اسے کھوکھے کی بیکار لکڑی سے کمرے سے علیحدہ کر لیا گیا ہے۔ رسوئی کے پاس سے ایک راستہ سامنے ٹوٹی پھوٹی دیوار کے پاس جا کر رک جاتا ہے جہاں ایک نالی ہے۔ نالی کے پاس دائیں طرف ایک ٹاٹ لٹکا ہے جس کے پیچھے غسل خانہ ہے۔

پردہ اٹھنے پر ماں —— یوگ کی ماں، کتر بیونت میں مشغول نظر آتی ہے روشنی کم ہونے سے اسے آنکھوں پر زور دینا پڑتا ہے۔ وہ ستائیس برس کی ایک جوان عورت ہے۔ لیکن بیوگی کی مصیبتوں کے باعث زیادہ عمر کی دکھائی دیتی ہے۔ آج بھی اگر اچھے کپڑے پہنے تو خوبصورت نظر آئے۔

یوگ ایک چودہ سال کا ذہین لڑکا ہے جو کسی بات سے خفا معلوم ہوتا ہے کبھی چارپائی پر بیٹھ جاتا ہے اور کبھی اُٹھ کھڑا ہوتا ہے۔

ماں : نہیں بیٹا یوگ! میں تمہیں اتنا پیسہ نہیں دے سکتی . . . . میں ایک غریب عورت ہوں۔

یوگ : اگر یہی بات تھی ماں، تو تم نے مجھے لکھانے پڑھانے کی کوشش ہی کیوں کی تھی؟

یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ تھوڑی بہت تشدید حاصل کرنے کے بعد میں چچا کے کارخانے میں نوکر ہو جاتا اور وہاں سپرنگ بنانے کا کام سیکھ لیتا۔

ماں: بیٹا مجھے کیا پتہ تھا ہر دوسرے روز میرے لئے نیا پروانہ آئے گا۔

لوگ: نیا پروانہ کیسا؟

ماں: یہی کبھی تمہیں سیر تماشے کے لئے پیسے دینا ہوں گے۔ اور کبھی سکاؤٹنگ کی وردی سلوانے کے لئے پیسے درکار ہوں گے۔ اگر تمہیں رومال کی اتنی ضرورت ہے تو کیوں نہیں ایک سادہ سا.....

لوگ: نہیں ماں مجھے ایک خاص کپڑے کا سکارف چاہیئے۔

ماں: مجھے تمہاری ان ضرورتوں کا کیا پتہ؟ تم دیکھتے ہو۔ میں سارا دن سلائی کرتی رہتی ہوں۔ جب سے بدھوا ہوئی رو رو کر میں نے آنکھیں خراب کر لیں اور اب میری نگاہ سلائی پر نہیں ٹکتی...... میری نگاہیں ایک جگہ جم کر رہ جاتی ہیں۔

لوگ: تو تم عینک کیوں نہیں لگوا لیتیں ماں؟ ..... اسپتال سے نمبر تو لے آئے تھے۔

ماں: ہاں نمبر تو لے آئے تھے لیکن عینک خریدنے کے لئے پیسے چاہئیں۔

لوگ: اوہ! پھر پیسے......

ماں: ہاں پیسوں کے بغیر کیا ہو سکتا ہے اس سنسار میں؟

لوگ: ماں دنیا میں پیسوں کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا؟ ..... گاؤں میں لوگ ابھی تک گندم لے آتے ہیں یا عورتیں دکاندار کو کپاس دے جاتی ہیں اور اس کے عوض انہیں آٹا دال اور نمک پیسے سب کچھ مل جاتا ہے....... ہمارے ہاں جو گندم پڑی ہے.......

ماں: ہاں بیٹا! وہاں اس قسم کا تبادلہ ہو سکتا ہے۔ شہر میں لوگ پیسے کے عوض کوئی چیز دے سکتے ہیں۔ اس کے بغیر نہیں........

یوگ: جوتن کی ماں بیوہ ہے۔ وہ کیسے کما لیتی ہے؟ جوتن کو کبھی کتابوں کے لئے نہیں رونا پڑا اور نہ کبھی .....

ماں: (جھڑک کر) خاموش! سوچ کر بات کیا کرو۔ جوتن کی ماں جس طرح پیسے کما لیتی ہے میں اس طرح پیسے نہیں کمانا چاہتی۔

یوگ: (حیران ہو کر) وہ کیسے کما لیتی ہے؟ —— جوتن کی ماں!

ماں: خبردار آئندہ کبھی جوتن کی ماں کا نام لیا۔ سمجھ گئے؟

یوگ: کیوں ماں۔ جوتن کی ماں کا نام لینا گناہ ہے؟

ماں: ہاں گناہ ہے!

یوگ: (رو کر) میں نہیں جانتا۔ میں کچھ نہیں جانتا مجھے سرکارڈ چاہیئے اور سلسلہ حساب نمبر ۸ اور بس...... ماں! تمہیں اس کے بعد کچھ بھی لانے کے لئے نہیں کہوں گا۔

ماں: میرے لال۔ تم ہی بتاؤ..... میں کیا کروں۔ کل میں نے جمنا لال کے ہاں سے بوتلیں اکٹھی کیں۔ ان سے سخت بدبو آتی تھی۔ میں نے انہیں دھویا اور اس کے بعد پچھلے تین مہینے سے اکٹھا کیا ہوا چھان نکالا اور ان کو بیچ ڈالا۔ سوا تین روپے ملے اب تم ہی بتاؤ کہ کھانے پکانے کے لئے کیا رکھوں اور تمہارے حساب اور رومال کے لئے کیا دوں.....

یوگ: یہ ٹھیک ہے ماں...... پھر..... (منہ چھپا لیتا ہے۔ گویا رو رہا ہے)

ماں: پھر کیا..... تم پھر رونے لگے سودائی!

یوگ: (روتے ہوئے) تم نے کہا تھا نا تمہارا باپ لڑائی سے پہلے بدیس چلا گیا..... اور وہاں مر کھپ گیا۔ اور اس کے جلتے ہی تمہاری ماں صدمے سے مر گئی اور تم نے مجھے لے کر پال لیا......

ماں: ہاں یہ ٹھیک ہے۔ لیکن اس بات سے تمہارا کیا مطلب ہے؟

لوگ : میں کئی بار سوچتا ہوں۔۔۔ تم نے مجھے آخر کیوں بچالیا؟ کیوں اپنا بیٹا بنالیا؟ تم مجھے نہ لاتیں تو میں بھوک اور پیاس سے تنگ آ کر مر جاتا۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوتا نا۔ تمہارے دکھ کا کارن تو نہ ہوتا۔

ماں : (لرزتی ہوئی آواز میں) اچھا بیٹا میں نے جو تمہیں بچالیا —— بڑی بھاری غلطی کی۔ کبھی کسی انسان سے غلطی بھی ہو ہی جاتی ہے۔

(وقفہ —— ایک ٹھنڈی سانس لے کر)

کاش میں ایک بار اپنی کوکھ سے بیٹا جن لیتی۔۔۔۔۔۔ چاہے وہ پیدا ہونے کے فوراً بعد مر ہی کیوں نہ جاتا۔ کبھی دوسرے کا بیٹا بھی اپنا ہوا ہے۔ لاکھ کرے کوئی۔

لوگ : (گھبرا کر) یہ بات نہیں ماں۔۔۔۔ ایسا کرو گی تو میں کہیں چلا جاؤں گا۔

ماں : چلے جاؤ گے تو کیا ہوگا؟ اب بھی کیا تم میرے ہو؟ یہ جو باتیں تم نے کی ہیں۔۔۔۔

لوگ : (لپٹ کر) نہیں ماں۔۔۔ میں تیرا ہوں تیرا۔ اور کسی کا نہیں۔ آج میری اپنی ماں بھی آجائے تو میں اس کے پاس نہ جاؤں۔ تم نے مجھے پالا ہے۔

ماں : آئے ہائے۔ میں احسان جتا رہی ہوں نا۔

لوگ : نہیں ماں میں نے یہ کب کہا؟ میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا کہ میری وجہ سے تمہیں اتنا کلیش ہوتا ہے۔ میں بڑا ہو رہا ہوں اور میری ضرورتیں بڑھتی جا رہی ہیں۔ میرا پیٹ کھانے کو مانگتا ہے۔۔۔۔۔۔

ماں : بیٹا پیٹ کی بات نہ کرو۔ پیٹ بھر کھانے کے لئے تو ہمارے پاس کمی نہیں ہے ہاں پیٹ کے علاوہ یہ رومال اور کتابیں۔۔۔۔۔

لوگ : کتابوں کے بغیر بھلا کوئی کیسے پڑھ سکتا ہے؟

ماں : میں نے سنا ہے کہ پڑھنے والوں نے دوسروں سے مانگ مانگ کر کتابیں پڑھی ہیں۔ لائبریریوں میں جا جا کر کام کیا ہے۔ تمہارے ہی چچا اتنے بڑے کیسے بن گئے؟ ان کے

گھر میں کھانے کو روٹی تھی نہ تن ڈھانپنے کو کپڑا۔ماں باپ نے انہیں ان کی بُوا کے ہاں گوجرانوالہ بھیج دیا۔جہاں یہ اپنے پھپھیرے بھائی کھلایا کرتے تھے اور روٹی کھا لیتے تھے۔ مگر پڑھنے کے لئے بتی نہ تھی اور تمہارے چچا سڑکوں کی روشنیوں کے نیچے جا جا کر پڑھا کرتے تھے.....

یوگ : ہاں۔میں سمجھ گیا..... سب کچھ سمجھ گیا۔دراصل بات ہے کہ تم نے مجھے بہت پیار کیا ہے۔جب میں نے دودھو کہ تم سے کچھ مانگا ہے تم نے کسی نہ کسی طرح مہیا کر دیا ہے۔اس سے میری عادت بگڑ گئی.....اب میں جانتا ہوں۔تم بہت مجبور ہو...

ماں: ہاں بیٹا۔میں ان دنوں بہت مجبور ہوں۔تمہارے سامنے میں گھر دائی بلواتی رہی اور پیٹ ملواتی رہی۔میں نے اس مہینے سیتے پرونے کا کام ہی نہیں کیا اور نہ موزے بنے ہیں۔

یوگ : نہیں ماں..... مجھ سے بھول ہوئی!

ماں: تو اب تم اپنے ماسٹر کو کیا جواب دو گے؟

یوگ : میں کہوں گا میں اسکاوٹ نہیں بنتا ..... اگرچہ وہ مجھے بہت پسند کرتے ہیں.... انہیں دکھ ہو گا۔پر ماں جو دکھ تمہیں ہو رہا ہے.....

ماں: اچھا وہ تمہیں اتنا چاہتے ہیں کہ تمہارے سکاوٹ نہ ہونے پر انہیں دکھ ہوگا؟

یوگ : ہاں ماں۔

ماں: ہاں گھر بھر میں ایک مرد کے نہ ہونے سے یہ کچھ ہو جاتا ہے...... مرد بیس قسم کے کام کر سکتا ہے عورت کچھ بھی نہیں کر سکتی۔پھر وہ مہینے میں بیس دن بیمار رہتی ہے۔ میں تو ڈرتی ہوں کہ میں عورت کیوں ہوتی؟

یوگ : اس میں تمہارا کیا قصور ہے مائی.....؟

ماں: نہیں اس میں میرے ہی کرموں کا دوش ہے۔

یوگ: دنیا میں لاکھوں عورتیں ہیں جو راج کرتی ہیں ہیڈ ماسٹر کی بیوی ہے وہ ہیڈ ماسٹرنی ہوگئی۔ پوچھو بھلا اس نے ہیڈ ماسٹرنی بنتے میں کونسا کالج پاس کیا ہے۔ ان دنوں گورنر کی بیوی سکول کی عمارت کا پتھر رکھنے آئی تھی تو۔۔۔۔۔۔

ماں: ہاں بیٹا۔ عورت مرد ہی سے رتبہ پاتی ہے۔

یوگ: ایسا کیوں ہے؟

ماں: کیوں ہے؟۔۔۔۔۔ جب سے دُنیا بنی ہے ایسے ہوتا آیا ہے۔ مرد کے بغیر عورت کچھ بھی نہیں۔

یوگ: مرد تمہارے بغیر سب کچھ ہیں؟

ماں: ہاں سب کچھ۔

(وقفہ ــــــــ ماں کچھ سنبھل جاتی ہے)

یوگ: تو میں مرد بنوں گا اور سب کچھ ہوں گا۔

ماں: ہاں۔ اور میرے بیٹے کی دلہن آئے گی۔

یوگ: نہیں ماں۔۔۔۔ میں اُس کے لئے نہیں۔ تمہارے لئے سب کچھ ہوں گا۔۔۔۔

ماں: جیتے رہو بیٹا! بھگوان تمہیں بہت بڑا آدمی بنائے۔ اچھا تو وہ تمہیں بہت چاہتے ہیں۔ تمہارا پتا جی بھی چاہتا ہے کہ اسکاؤٹ بنوں اور۔۔۔۔۔

یوگ: واہ!۔۔۔۔۔۔ تو میں اتنی دیر سے رو کیا رہا ہوں؟

ماں: نہیں بیٹا مجھے ایک بات یاد آگئی میں نے تمہاری شادی کے لئے روپے جمع کرنے شروع کئے تھے۔

یوگ: میری شادی کے لئے؟

ماں: ہاں تمہاری شادی کے لئے۔۔۔۔۔ اور چار پانچ سال میں تمہارا بیاہ ہوگا یا نہیں؟

یوگ: تو اس کے لئے میں آپ کماؤں گا۔

ماں: اچھا اس کے لئے تم آپ کماتے رہنا۔۔۔۔۔یہ میں نے روپے اکٹھے کرنے شروع کئے تھے۔۔۔۔۔ابھی تک میرے پاس باون روپے جمع ہوئے ہیں۔ اس سے تم رومال اور کتابیں ______

یوگ: ۔۔۔۔۔۔ماں!

ماں: انہیں جہاں چاہو خرچ کرلو۔ میرے پاس یہی پونجی تھی۔۔۔۔۔جو میں نے تمہارے سامنے بڑی محنت سے جمع کی ہے۔

یوگ: نہیں نہیں ماں۔۔۔۔میں اسے خرچ نہیں کروں گا (خوش ہوکر) لیکن مجھے رومال بنا دو۔ اور باقی پیسے جمع رکھو۔ میری شادی کے لئے نہیں۔ اپنے سر درد کا علاج کرو۔ یہ سر درد جو تمہارا پیچھا ہی نہیں چھوڑتا۔

ماں: اور کتابیں؟

یوگ: میں ایسے ہی پڑھ لوں گا مانگ تانگ کر گلی کی روشنیوں کے نیچے۔۔۔۔۔

ماں: نہیں بیٹا۔ میں یہ نہ ہونے دوں گی۔ تم ضروری کتابیں خرید لو۔۔۔۔۔۔۔اور باقی۔۔۔۔۔۔

(دروازے پر دستک سنائی دیتی ہے)

ماں: یہ ہمارے گھر کون آیا؟

یوگ: گونگی ہو گی۔ تم نے اس کے کپڑے سی دیئے ہیں؟ وہ کہہ رہی تھی۔ مجھے دیاس پوجا سے پہلے کہیں پہنچنا ہے۔

ماں: (زانو پر ہاتھ مار کر) ہائے۔ میں مر گئی! میں نے تو شروع ہی نہیں کیا۔۔۔۔ میں اسے بھول ہی چکی تھی!

یوگ: تو اب کیا ہوگا؟

ماں: (گھبرا کر) نہ جانے کیا ہوگا۔ اُسے کیا منہ دکھاؤں گی میں؟

بوگ: میں کہتا ہوں...... ماں تم بیمار بن جاؤ۔ اس چارپائی پر پڑھ جاؤ۔ تم نے اس کے کپڑے کاٹ بھی ہیں یا نہیں؟

ماں: میں کہتی ہوں بالکل بھول گئی تھی اس کے کپڑے۔

بوگ: کسی کے بھی کاٹے ہیں؟

ماں: ہاں چاند کی قمیص کاٹی ہے وہ پڑی ہے.....

بوگ: اٹھو اٹھو...... میں تمہیں مشین رکھ دیتا ہوں۔ تم مشین کے اندر وہ قمیص رکھ دو۔ بس اس طرح کہ پتہ چلے بخیہ نکالنے کی مہلت نہیں ملی اور پیٹ میں درد ہونے لگا۔

ماں: نہیں نہیں بیٹا...... یہ بری بات ہے۔ میں رات جاگ کر سی دوں گی۔ اور تھوڑی سی لعنت ملامت سہ لوں گی۔ اس کی مجھے عادت ہو گئی ہے۔

بوگ: جب تم وقت پر کام کر دیتی ہو۔ تو پھر بھی لعنت ملامت ہوتی ہے؟

ماں: لوگ میری سلائی کا درزیوں کی سلائی سے مقابلہ کرتے ہیں اور میں اُن ایسا نہیں سی سکتی۔ اگرچہ درزی ایک قمیص کے اڑھائی روپے تک لے لیتے ہیں اور میں کل دو آنے سے آٹھ آنے تک لیتی ہوں۔

(پھر دستک ہوتی ہے)

تم جلدی سے دیکھو تو کون ہے؟

بوگ: (دور جاتے ہوئے)..... اچھا میں دیکھتا ہوں۔

(ماں سلائی کی مشین چلانے لگتی ہے)

ماں: کون ہے؟

بوگ: (گھبرایا ہوا آتا ہے) ماں..... ماں، یہ جوتن کی ماں آگئی۔

ماں: اُسے ہمارے ساتھ کیا کام آن پڑا؟ بیٹھے بٹھائے یہ کیا مصیبت آگئی؟ میرے

ہاں اس کا آنا جانا اچھا نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

یوگ : میں خود نہیں چاہتا وہ ہمارے ہاں آئے ۔ ۔ ۔ میں اسے روک دوں؟

ماں : اس طرح کیسے روکا جا سکتا ہے؟ ۔ ۔ ۔ ۔ چلو یہ بھی اچھا ہوا گونگی نہیں آئی؟

یوگ : صاف کہہ دوں گا کہ ماں کو فرصت نہیں۔

ماں : نہیں نہیں ۔ ۔ ۔ ایسا نہ کہو ۔ ۔ ۔ ۔ (سوچ کر) اچھا اسے آنے دو۔

(جوتن کی ماں اپنے آپ چلی آتی ہے)

جوتن کی ماں : (بہت خوشی سے) یوگ کی ماں!

ماں : ہاں کہو سُنا۔ کہو کیا بات ہے؟

جوتن کی ماں : میں تمہیں ایک خوشخبری سنانے آئی ہوں۔ ایسی بات جو تم نے زندگی بھر نہیں سنی ہو گی۔

ماں : ہمارے لئے کیا خوشخبری ہو سکتی ہے؟ لاٹری ہم نے نہیں ڈالی اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

جوتن کی ماں : لاٹری سے بڑھ کر بات ہے۔

یوگ : تم ایسے ہی باتیں کرتی ہو جوتن کی ماں۔ جانے کیا ہو جائے گا۔ اور جب اصل بات ہوتی ہے تو جھٹ سے رہ جاتے ہیں سب۔

جوتن کی ماں : نہیں یوگ! خاص طور پر تمہارے لئے بہت بڑی بات ہے۔ اس سے تمہیں بہت فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اگر میں کہوں کہ آج تم فقیر ہو اور کل راجہ بن جاؤ گے تو تم مان لو گے؟

یوگ : نہیں۔ میں راجہ نہیں بن سکتا اور نہ بننا چاہتا ہوں۔

جوتن کی ماں : لیکن اگر تم راجہ بن جاؤ تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ماں : اوہو۔ راجہ ہی نہ بن جائے کہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

یوگ : لیکن ماں کیا کرے گی؟ ۔ ۔ ۔ ۔ (کچھ یاد آتا ہے) اوہ نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ماں میرے ساتھ

جاسکتی ہے۔ راجے کی ماں بن کر چلو۔ سمجھ لیا میں راجہ ہوں گا۔ ہماری آٹھویں جماعت میں اس طرح کے سوال نکالتے ہیں۔ فرض کیا کہ "لا" لڑکوں نے امرود کھائے۔۔۔۔
ہاں جوتن کی ماں! تمہیں اپنے امرودوں کا وعدہ یاد ہے نا؟

جوتن کی ماں: ہاں اچھی طرح سے۔ میں تمہیں اپنے باغ سے ٹوکروں کے ٹوکرے منگوا دوں گی۔

ماں: اوہو، ایکا ایکی اتنی مہربان کیسے ہو گئیں؟ —— اصل بات کیا ہے؟

جوتن کی ماں: بہت ہی خوشی کی بات ہے۔ یوگ کی ماں! تم دیکھ نہیں رہی ہو۔ میری آنکھوں میں نیر بھر آیا ہے۔ دراصل مجھ میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ بات تم لوگوں سے بیان کر سکوں، ہے بھگوان! مجھے اتنی شکتی دے کہ۔۔۔۔۔۔

ماں: یہ کیا پاکھنڈ ہے —— ؟ میں کہتی ہوں کہ سُنا، کوئی بات ہمیں اتنا خوش نہیں کر سکتی کہ ہم اُسے سن کر پاگل ہو جائیں اور نہ کوئی بات اتنا غمگین کر سکتی ہے کہ۔۔۔۔۔

جوتن کی ماں: یوگ بیٹا!

یوگ: یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔ جوتن کی ماں —— جوتن کیا کہہ رہا ہے؟

ماں: یوگ کی یہ بہت بڑی عادت ہے۔ کہ جو آخری چیز اس کے دماغ میں آتی ہے۔ اُسی کی طرف پلٹ جاتا ہے۔ باتیں کسی خوشخبری کی ہو رہی تھیں۔ بیچ میں امرودوں کا ذکر آگیا۔ اب امرودوں کا ذکر ہو رہا ہے تو جوتن کا قصہ لے بیٹھے ——

یوگ: ہاں میں کہہ رہا تھا میں اپنے آپ کو "لا" فرض کر لیتا ہوں یعنی راجہ!

جوتن کی ماں: فرض کرنے کی کوئی بات نہیں۔ تم اب سچ مچ راجہ ہو!

ماں: اور میں

یوگ: تم راجہ کی ماں۔

جوتن کی ماں: راج ماتا!

ماں : اچھا چلو گپ شپ ختم ہوئی۔ اب اصلی بات بتاؤ ——— (ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے)
ہماری ایسی قسمت کہاں ——— ؟ ابھی کل ہی کیرل ودیا کا ایک پنڈت آیا تھا اس نے کچھ منہ سے نکلے اور اصل پنڈ میں ۴۲ کا نون (قانون) کے جمع کر لئے اور اُسے تین پر تقسیم کرایا سب کچھ تقسیم ہو گیا ——— جس کا مطلب تھا لابھ کی بجائے اُلٹا نقصان ہوگا۔ میں ان باتوں کو مانتی نہیں پر......

جوتن کی ماں : بات یہ ہے کہ یوگ کا باپ زندہ ہے!

ماں : (حیران ہوکر) سچ! میری سوگند لو!!

یوگ : میرا باپ کہاں سے آگیا؟

جوتن کی ماں : تمہاری سوگند، یوگ کی ماں ! ——— یوگ کا باپ زندہ ہے!

ماں : ارے سچ سچ کہو۔ جوتن کی ماں...... میں تو کانپنے لگی!

جوتن کی ماں : مجھے اپنے جوتن کی سوگند ——— زندہ ہیں۔ لڑائی کے شروع ہوتے ہی وہ برلس میں قید ہو گئے یا نظر بند کر دیئے گئے۔ کچھ ایسی ہی بات ہے ———

یوگ : تمہیں کوئی چھٹی ملی ہے جوتن کی ماں!

جوتن کی ماں : وہ خود جو مل گئے تو چھٹی کی کیا ضرورت ہے؟

ماں : ——— دیکھو ——— مذاق نہ کرو کرشنا۔ میں بے ہوش ہو جاؤں گی ———
یہ ہاتھ رکھو ادھر، دیکھو ——— میرا دل کیسے دھڑک رہا ہے.....

جوتن کی ماں : آئے ہائے تمہارا کیا خیال ہے میں یونہی جوتن کی سوگند لیتی پھرتی ہوں۔ یہ اَنّ میرے پاس دھرا ہے۔ اس پر ہاتھ رکھ کر کہتی ہوں یوگ کے پتا آئے ہوئے ہیں اور وہ شری پت پہلے شری پت نہیں رہے۔ بہت بدل گئے ہیں ——— انہوں نے بہت دولت کمائی ہے۔

یوگ : نہیں جوتن کی ماں ——— میرے پتا جی ؟ چھ سات برس کے بعد ؟ نہیں یہ

سب مذاق ہو رہا ہے۔

ماں: ارے ٹھہرو تو (جوتن کی ماں سے) وہ ہیں کہاں؟

جوتن کی ماں: وہ صبح سے میرے گھر ٹھہرے ہوئے ہیں۔

ماں: تمہارے گھر ——— تمہارے گھر کیوں؟ تم نے جان بوجھ کر انہیں ادھر نہیں آنے دیا ہوگا۔۔۔ میں جانتی ہوں، کیسی؟

جوتن کی ماں: کیوں؟ میرے گھر کیا ہے؟ تمہارا گھر بھی کوئی ٹھہرنے کی جگہ ہے۔ میرے ہاں میز ہیں، کمرے ہیں، پیالے ہیں، شیشے ہیں۔ پلنگ ہیں اور ہر قسم کا سامان ہے جو ایک اچھے گھر میں ہونا چاہیئے۔ انہوں نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا ہے۔ اچھی سے اچھی جگہ دیکھی ہے۔ اُن کے اُتارنے کے لئے بھی کوئی اچھی جگہ ہونی چاہیئے۔

ماں: ——— پھر چلو ——— میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں ——— نہیں میں کانپ رہی ہوں۔۔

یوگ بیٹا! یہ بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔ شاید اس بات کا کیا نتیجہ نکلے؟ ———

(جوتن کی ماں سے) تو وہ تمہارے ہاں صبح سے آئے ہوتے ہیں! یہ ٹھیک ہے۔ وہ اچھا گھر ہے لیکن یہ بھی کوئی بات ہے بھلا۔ پنچھی آسمان بھر میں اُڑتا پھرتا ہے۔ وہ زمین پر اپنے گھاس پھونس کے گھونسلے کو نہیں بھول جاتا۔

(وقفہ ——— پھر یوگ سے)

یوگ بیٹا ——— تم اپنے پتا کو لے آؤ۔

جوتن کی ماں: تم کیوں نہیں ادھر چلی جاتیں۔ آکر وہ بیٹھیں گے کہاں؟

ماں: جہاں بھی بیٹھیں۔ انہیں پہلے اپنوں کو ملنے کے لئے آنا چاہیئے تھا۔

جوتن کی ماں: میں نے اپنے ہاں اُتار لیا تو اس میں گناہ کیا ہوا؟ میں سمجھتی ہوں میں نے اچھا کام کیا۔

ماں: گناہ کوئی نہیں جوتن کی ماں ——— لیکن تم کسی سے بھی پوچھو سب کہیں گے

کہ اُسے پہلے پرایوں سے ملنے کے لئے آنا چاہیئے تھا اور پھر......

جوتن کی ماں: ہونہہ! ایک تم بھی اس کے اپنوں میں سے ہو گئیں!

ماں: (صدمہ زدہ) ہاں! میں اس کے اپنوں میں نہیں لیکن یوگ تو ہے!.....میں نے یوگ کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کیا ہے، میں.......

یوگ: ماں میں انہیں جاکر لے آتا ہوں۔

جوتن کی ماں: انہیں وہیں رہنے دو یوگ بیٹا!——اپنی ماں کو لے جاؤ۔

ماں: نہیں میں نہیں جاؤں گی——میں ان کی کون ہوتی ہوں؟ انہیں میری عزت کے لئے یہاں آنا چاہیئے۔ میں ایک بدھوا عورت ہوں۔ مجھے پرائے مردوں کو ملنے کے لئے ایسے نہیں چلے جانا چاہیئے۔

یوگ: میں جاتا ہوں——لیکن مجھے بھی شرم آتی ہے مجھے رونا آجائے گا۔

جوتن کی ماں: اس میں شرم کی کیا بات ہے؟

یوگ: نہیں نہیں——میں جاؤں گا (خوشی میں) میرے پتا جی آئے ہیں، میرے پتا جی.......

(جاتا ہے اس کی آواز بڑی تیزی کے ساتھ دور ہٹتی جا رہی ہے)

جوتن کی ماں: ہاں تم کیا کہہ رہی تھیں بہن؟

ماں: یہی کہ پرائے مردوں سے ملنے کے لئے مجھے ایسے نہیں چلے جانا چاہیئے۔

جوتن کی ماں: پرائے مرد تمہارے یہاں بے شک آجائیں؟

ماں: نہیں——وہ یوگ کے پتا ہیں ان کے سوا اور کوئی نہیں آسکتا۔

جوتن کی ماں: جیسے تمہیں ان کے پاس جانے سے شرم آتی ہے ایسے ہی انہیں بھی.....

ماں: نہیں ہم دونوں کی بات ایک سی نہیں۔

جوتن کی ماں: میرا اب بھی خیال یہی ہے کہ تمہیں ادھر چلے جانا چاہیئے۔ وہ ایک پل میں

اِدھر پہنچ جائیں گے۔ تب تک تمہارے ہاں صفائی بھی نہیں ہوئی ہوگی۔ یہ دیکھو سب کوڑا کباڑ۔ دیکھو یہ مشین —— کپڑے اور کترنیں اور یہ تصویریں، جیسے پنواڑیوں کی دکانوں پر ہوتی ہیں اور یہ جنتری......

ماں: یہ ٹھیک ہے لیکن یہ میرا گھر ہے.....

جوتن کی ماں: تمہارا ابھی تک خیال ہے کہ میرے گھر جا کر سنتری پت رائے نے غلطی کی؟

ماں: ہاں —— مجھے اس بات کا گلہ ہے کہ تم انہیں سیدھے ادھر کیوں نہیں لے آئیں؟ اور پھر صبح سے تم نے انہیں اپنے پاس کیوں رکھا ہے؟ میں یہ تو نہیں کہتی کہ اس میں تمہارا کوئی لالچ ہے لیکن یہ بات بنتی نہیں کہ تم.......

جوتن کی ماں: میں نے بُرا کیا کیا؟ آتے ہی وہ نہائے، چلئے پی۔ راستے کی مٹی اتاری۔ تکان سے ان کی آنکھیں بھاری ہو رہی تھیں۔ اور وہ گرے پڑتے تھے اور پھر....

ماں: لیکن انہوں نے اپنے بیٹے اور پتنی کو یاد نہ کیا؟

جوتن کی ماں: کیا! وہ کمرے میں پاؤں رکھنے سے پہلے روئے۔ لیکن اس بات کا خیال کسے کہ کسی کا گھر ہے۔ وہ چپ رہے۔ میں نے کہا نا، انہوں نے بہت دنیا دیکھی ہے۔ وہ اچھا برا سب سمجھتے ہیں۔

ماں: تم کہتی ہو اس نے اپنی پتنی کو یاد کیا۔ ایسے میں اپنی طبیعت پر کوئی کیسے قابو پا سکتا ہے؟.... (ٹھنڈی سانس لے کر) مرد ایسے ہی پتھر دل ہوتے ہیں —— !

جوتن کی ماں: انہوں نے اور بھی عورتیں دیکھی ہیں جن کے مقابلے پر اُن کی اَن پڑھ گنوار بیوی کچھ بھی نہ تھی!

ماں: چاہے اَن پڑھ گنوار ہو کوئی، پھر بھی.... اور بیٹا!

جوتن کی ماں: بات دراصل یہ ہے کہ بیوی کے مر جانے کا انہیں بدیس ہی میں پتہ چل گیا تھا —— اور بتانے والے نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ تمہارا بیٹا بھی چل بسا ہے۔ حالانکہ

وہ جیتا تھا۔ سو جو اصل رونا دھونا تھا وہ شری پت رائے پہلے ہی رو دھو چکے تھے۔

ماں: تو پھر وہ اپنے قصبے میں کیوں آئے؟

جوتن کی ماں: کوئی مڑھی سمادھ پہ کیوں جاتا ہے؟ —— اور پھر اپنے دیش کی یاد......

ماں: میرا دل ابھی تک کانپ رہا ہے!

جوتن کی ماں: تمہارا دل بھلا کیوں کانپ رہا ہے؟ شاید تم سمجھی ہو کہ وہ.......

ماں: کیا سمجھی ہوں؟......

جوتن کی ماں: (رک کر ہکلا کر) شاید تم سمجھی ہو کہ وہ (گویا بات پلٹ جاتی ہے) ......وہ..... یوگ کو لے جائیں گے!

ماں: نہیں نہیں —— اس بات کی مجھے تسلی ہے —— وہ یوگ کو نہیں لے جا سکتے۔ دنیا میں اتنی اندھیر گردی نہیں۔ وہ تو اپنی طرف سے یوگ کو مار چکے تھے۔ اور اگر میں یوگ کو لے کر نہ پال لیتی تو نہ جانے اس کا کیا ہوتا؟..... میں نے سات آٹھ سال مصیبتیں سہہ کر یوگ کو پالا ہے۔ پڑھایا ہے..... تمہیں یاد ہے جب اسے محرقہ بخار ہوا تھا..... جب اس کا بخار پہلی بار ٹوٹا تو اس نے سخت سی ناشپاتی کھالی اور پھر وہ اکیس دن کے لئے بیمار ہو گیا۔ میں اس کے لئے راتوں جاگتی رہی —— میں آدھی رات کے وقت ہری داس کی سمادھ پر ایک ٹانگ کھڑے ہو کر پرارتھنا کرتی رہی —— میں.....

جوتن کی ماں: تم نے یہ سب باتیں کہہ ڈالیں!

ماں: میں کچھ نہیں جانتی۔ مجھے غصہ آ رہا ہے۔ کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ یوگ کو لے جائے۔ اس کے پتا یوگ کے اتنے پتا نہیں جتنی میں —— میں یوگ کی ماں ہوں..... یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یوگ کی میں کچھ نہ رہ جاؤں؟ وہ سات سال کے بعد آئیں اور

کسی اور کے ہاں ٹھہر جائیں ——— اور ——……؟

جوتن کی ماں: میں اُن کے لئے نئی نہ تھی۔ وہ پہلے بھی مجھے جانتے تھے…… میں ایک بات پوچھتی ہوں اگر تمہیں یقین ہے کہ وہ یوگ کو نہیں لے جائیں گے تو پھر تمہارا دل کیوں کانپتا ہے؟

ماں: ——— میں نہیں جانتی ——— میرا دل کیوں اتنا کانپ رہا ہے؟

جوتن کی ماں: مثلاً ——— میرا دل نہیں کانپ رہا۔

ماں: تم پر کبھی کوئی مصیبت نہیں ٹوٹی۔ تم نے جیون میں سکھ ہی سکھ دیکھا ہے لیکن میں نے……

جوتن کی ماں: دوسرے کو بھی معلوم ہوتا ہے۔ یوگ کی ماں!

ماں: اچھا میں پوچھتی ہوں ——— وہ اپنے بیٹے کے جیتے ہونے کی بابت سُن کر بھی تمہارے ہاں بیٹھے رہے۔ اور پھر جیسا کہ تم نے بتایا سو گئے ———

جوتن کی ماں: میں کوئی اتنی مُورکھ تھوڑے ہی ہوں کہ ایک دم انہیں یہ بات بتادیتی ایسے ہی میں تو دھکا لگ جاتا ہے۔ میں نے آہستہ آہستہ انہیں یہ خوشخبری سنائی۔

ماں: پھر وہ خوش ہوئے؟

جوتن کی ماں: اور نہیں تو کیا۔ ارے میں کہتی ہوں، دیوانے ہو گئے۔ اس سے کہیں زیادہ دیوانے جتنے تم لوگ نظر آتے ہو۔

ماں: بات یہ ہے کہ ہمیں ابھی تک یقین نہیں آرہا ——— اچھا، اتنے خوش ہوتے!

جوتن کی ماں: بس اتنے ہی خوش جتنا اب تم ابکا ایکی ہوگئی ہو۔

ماں: میں خوش ہوگئی ہوں ——— اچھا! تم نے میرا ذکر بھی کیا؟

جوتن کی ماں: تمہارا ذکر ——— اوہ میں بھول ہی گئی۔ زیادہ نہیں تھوڑا بہت ضرور کیا

ہوگا۔ اس کی وجہ یہ بھی کہ میں بہت کام میں لگی رہی۔ پہلے چلتے بنائی۔ پھر ان کے نہلانے کے لئے پانی گرم کیا۔ پھر انہوں نے کھانا کھایا —— میں بے کار باتیں کرتی رہی۔ حالانکہ وہ سو رہے تھے۔ پھر......

ماں: (افسوس سے) ارے! تم نے میرا نام بھی نہ لیا؟

جوتن کی ماں: نام تو لیا تھا۔

ماں: یہ سب بے کار ہے۔ بے ہودہ ہے۔ اس میں تمہاری کوئی چال ہے۔ ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کوئی یوگ کا نام لے اور میرا نام نہ لے...... بھلا تم نے ان کی اتنی خاطرداری کیوں کی؟

جوتن کی ماں: (برہم ہو کر) تم ناحق منہ کو آتی ہو یوگ کی ماں! تم اس سے پہلے سارے اشارے میں اپنا عیلا پن دکھا چکی ہو۔ زیادہ باتیں بناؤ گی تو مجھ سا برا کوئی نہیں ہوگا۔

ماں: نہیں تم لاکھ کہو اس میں کوئی بھید ہے...... تمہارا کوئی حق نہ تھا کہ تم اسے اپنے گھر میں رکھو اور پھر صبح سے شام تک...... میں جانتی ہوں تم کس طرح کی عورت ہو......

جوتن کی ماں: بس —— اس سے زیادہ زبان چلائی تو یہ سر کا ایک بال نہ چھوڑوں گی۔ کہے دیتی ہوں۔

ماں: اس سے پہلے تم نے میرے ساتھ کم برا سلوک کیا ہے؟ بدکاری آپ کرتی رہی ہو اور سر میرے تھوپتی رہی ہو۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا تو میرا بھگوان تو جانتا ہے۔

جوتن کی ماں: (فوراً ڈھل کر) یوگ کی ماں، آج تمہیں ہوا کیا ہے؟ تم تو ایسی نہ تھیں کبھی.........

ماں : (بدستور ہیسٹر یابک مریض کی طرح) ماں میں ایسی نہ تھی لیکن تم نے مجھے ایسا بنادیا ہے ...... اگر تم نے یہی وطیرہ رکھا تو شاید مجھے اس سے بھی بڑا بننا پڑے۔ شریف انسان کو آزمانا نہیں چاہیئے۔ وہ چپ رہتا ہے۔ لیکن جب وہ بولتا ہے تو ...... بہت بولتا ہے۔

جوتن کی ماں : خیال تو کرو ...... یوگ کی ماں! شری پت آتے ہی ہوں گے۔

ماں : میں کیا کروں۔ تم ہی نے یہ اول جلول کہلوائی ہے مجھ سے۔

(دروازے پر آہٹ ...... کوئی کھنکارتا ہے)

(ڈر کر) میں جانوں، وہ آ ہی گئے۔

جوتن کی ماں : تو اور کیا .... دیکھو کیسے اٹھا رکھا ہے یوگ کو ــــ ! وہ اُٹھ رہا ہے!!

ماں : (گھبرا کر) اب کیا کروں؟ .... تمہارے اس کلاکلیش نے چارپائی سے کپڑے بھی اُٹھانے نہیں دیئے۔

یوگ : (بھاگ کر آتا ہے) ماں ..... پتاجی ..... پتاجی ...... ماں ــــ !

شری پت : (شرماتے ہوئے) نمستے

ماں : (جھجکتے ہوئے) ......ن ... ن ــــ نمستے ...... آیئے .... آ .... آ ...... یئے!

شری پت : کوئی بات نہیں۔ آپ بیٹھیے ...... میں اپنے آپ بیٹھ جاؤں گا ...... اس تپائی پہ ....

جوتن کی ماں : آپ ہی کا ذکر کیا تھا میں نے ...... انہوں نے یوگ کو پالا اور بڑھایا ...... اب یوگ اس طرح پٹھو بنا رہتا ہے تو ان کا کیا قصور؟ گھر میں کوئی کمانے والا نہیں۔ سلائی پر ان کی گزر رہتی ہے۔ یہ بھی شکر ہے بھگوان کا محلے والے پرماتما سے ڈرتے ہیں اور ......

ماں: جوتن کی ماں..... !

جوتن کی ماں: کیا بات ہے..... رک کیوں گئیں..... ؟

ماں: (گھبرا کر) نہیں بیٹھنے تو دے..... پھر باتیں ہو لیں گی..... یوگ.....
یوگ بیٹا! بات سُن.....

یوگ: کیا ہے ؟

ماں: (کان میں) جا بازار سے چائے کی پتیاں تو لے آ پیسے اس دھوتی کے پلّو سے
کھول لے۔

جوتن کی ماں: (ہنس کر) تم چائے کی پتیاں بھی نہیں رکھتیں۔

شری پت: نہیں۔ میں ابھی چائے نہیں پیوں گا..... آپ تکلیف نہ کیجئے.....
جی میں چائے.....

ماں: (کھسیانی ہو کر) ختم ہو گئیں..... چیز ختم بھی تو ہو جاتی ہے۔

جوتن کی ماں: (نصیحت کرتے ہوئے) ایک بڑا پیکٹ منگوا لیا کرو نا کہو تو میں بھیج
دوں ؟

ماں: نہیں کرستنا یوگ اپنے آپ سے آئے گا اسے بھی تو ماں باپ کی خدمت کا موقع
دینا چاہیئے۔

جوتن کی ماں: تو کون پیکٹ منگواؤ گی ؟

ماں: جو چائے کا پیکٹ ہوتا ہے..... چھوٹا پیکٹ !

جوتن کی ماں: چھوٹے پیکٹ میں تو بس خاک دھول ہوتی ہے۔ میرے پاس ہر سے لیبل
کی چائے ہے۔

شری پت: میں کہہ رہا ہوں ابھی مجھے ضرورت نہیں ہے۔ البتہ ٹھہر کر چائے پی لوں گا باہر
جا کر مجھے چائے پینے کی عادت ضرور ہو گئی ہے لیکن.....

جوتن کی ماں: تم سب شام کو کھانا ہمارے ہاں کھانا۔۔۔۔ یوگ کی ماں!

ماں: نہیں بھائی ـــــ جیسا روکھا سوکھا ہوگا۔ میں کھلا لوں گی لیکن کسی کے گھر نہیں کھانے دوں گی۔۔۔۔ بھگوان نے دُور کا ساگ سویکار کیا تھا ـــــ

شری پت: آپ نہیں جانتیں جنگ میں ہم کیا کچھ کھاتے رہے ہیں؟ بیس بیس دن ٹرینچوں میں پڑے سوکھی زمین کو ترس جاتے تھے۔ یہاں لوگ سمجھتے ہیں۔ ہرے لیبل کے بغیر چائے ہی نہیں پی جا سکتی۔۔۔۔۔۔۔

ماں: یوگ بیٹا۔۔۔۔۔ جا پھر چائے لے آ۔

شری پت: یوگ کو میرے پاس رہنے دیجئے اور چائے۔ جوتن کے ہاں سے منگوا لیجئے۔

ماں: اس کی کیا ضرورت ہے۔۔۔۔۔ میں خود۔۔۔۔۔۔

جوتن کی ماں: آئے ہائے۔۔۔۔۔۔ اتنا ہی وہ ہے تو میں تم سے قیمت لے لوں گی چائے تو اچھی پلاؤ نا۔

ماں: (غصے کو دباتے ہوئے) اچھا تو یوگ ان کے پاس رہے گا تم آپ جاؤ اور کچھ پتیاں بھیج دو۔

جوتن کی ماں: (گھبرا کر) میں۔۔۔۔ میں (سنبھل کر) اچھا میں جا کر بھجواتی ہوں۔ لیکن شام کا کھانا۔۔۔۔۔۔۔

شری پت: نہیں آپ تکلیف نہ فرمایئے۔ میں نے صبح کا کھانا جو آپ کے ہاں کھا لیا۔ اب شام کو ان کے ہاں سہی۔

جوتن کی ماں: (جلتے ہوئے) اچھا۔۔۔۔۔۔ اچھا۔۔۔۔۔ تو میں تھوڑا کسٹرڈ پوڈر بھیج دوں؟

ماں: نہیں اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

یوگ: میں پتاجی کے لئے سب کچھ بازار سے لے آؤں گا۔

شری پت: نہیں مجھے کچھ نہیں چاہیئے میرے بیٹے۔ آج تمہیں مل کر میں نے سب کچھ پالیا ہے۔ میں سب کچھ کھو چکا تھا۔ میرے پاس چند سکوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ لیکن یہ سکے سب کھوٹے تھے۔ آج میں نے رتن، مانک، جواہر سبھی کچھ پالیا ہے آج میرے کھوٹے بھی کھرے ہو گئے۔

ماں: (آنکھیں پونچھتے ہوئے) آپ کو لوگ کا پتہ نہ تھا؟

شری پت: کہاں؟ —— میں سمجھتا تھا۔ اس سنسار میں میرا کوئی نہیں رہا۔ میں تو اس دچار کے ساتھ آیا تھا۔ کہ اپنا دیس ہے چلو دیکھ آؤں اور اپنے پیاروں کی سمادھی پر دو پھول (رک جاتا ہے) ..... (وقفہ) اچھا ہوا میں ادھر آگیا۔ ورنہ میرا ارادہ تھا کہ وہیں ہلڈانگ میں رہ جاؤں سیام میں میرا کالی مرچ اور لونگ کا اجارہ ہے۔

لوگ: کالی مرچ سے بھی کوئی آمدنی ہوتی ہے پتاجی؟ یہاں رتو وہی تو بیوپار کرتا ہے لیکن۔

شری پت: میں اجارہ کہہ رہا ہوں بیٹا ——!

لوگ: ماں یہ اجارہ کیا ہوتا ہے؟

شری پت: تم اُن سے کیوں پوچھتے ہو۔ بات میں نے کی ہے نہ کہ تمہاری ..... تمہاری ماں نے ....

ماں: (شرماتے ہوئے) میں کیا جانوں —— یہ اجارہ کیا بلا ہوتی ہے؟

شری پت: اجارہ ہوتا ہے..... حکومت سے ایک چیز کا اجارہ لے لینا! میرا مطلب ہے....... یعنی میرے سوا سارے ملک سیام میں کوئی لونگ اور کالی مرچ نہیں لا سکتا اور نہ بیچ سکتا ہے۔

ماں: تھوک مال بیچتے ہوں گے نا۔

لوگ: ہاں ہمارے شہر میں کئی دکانوں پر بورڈ لگے ہیں مثلاً ایک پر شیخ رحمت اللہ تھوک فروش۔ پہلے ہم تھوک فروش کا کوئی اور ہی مطلب سمجھتے تھے ——

شری پت: نہیں تھوک فروش نہیں۔۔۔۔۔ مثلاً کالی مرچ اور لونگ کا تھوک فروش تو وہ ہوتا ہے جو پرچون نہیں بیچتا ــــ پرچون کا مطلب ہے۔ پلیسے پلیسے اور ٹکے ٹکے کی چیزیں۔

یوگ: میں ہلڈانگ جاؤں گا ــــ پتا جی۔۔۔۔

شری پت: ــــ بیٹا ــــ دنیا بھر میں جس جگہ میں جاؤں گا تمہیں لے جاؤں گا۔

ماں: لیکن پڑھائی کا کیا کروگے؟ ــــ اور تمہاری ریلی کا کیا بنے گا؟

یوگ: پتاجی ــــ پتا جی ــــ میں اپنے سکول میں سکاوٹ ہوں کل ہماری ریلی ہے۔ جس میں چیف جسٹس آئے ہیں وہاں ہمیں انعام بھی ملیں گے۔ مجھے اس کے لئے رومال چاہیئے اور مجھے حساب کی ایک کتاب خریدنا ہے۔

شری پت: بیٹا! ایک رومال چھوڑ میں تمہیں بیس رومال لے دوں گا۔ کل تم میرے ساتھ جانا۔ میں تمہیں بہت سی اچھی اچھی کتابیں خرید دوں گا! بیٹا! پڑھائی ایسی کوئی دولت نہیں۔ تمہیں ان کا احسان مند ہونا چاہیئے جنہوں نے اتنی تکلیفیں سہہ کر تمہیں علم کی روشنی دلوائی۔ تمہاری ماں مر چکی تھی۔۔۔ لیکن۔۔۔۔ (رُک جاتا ہے)

ماں: وہ بے چاری جیتی ہوتی تو آج اپنے لال کو دیکھتی (رُک جاتی ہے) اس کے بعد میں نے ماں بننے کا جتن کیا۔۔۔۔ اور۔۔۔۔ اور۔۔۔۔ اب بھی کروں گی۔

یوگ: جو کچھ ماں نے میرے لئے کیا پتاجی وہ میں جانتا ہوں یا میرا یہ ماتما!

شری پت: (ہنس کر) ارے یوگ بیٹا تو بہت عقلمندوں کی سی باتیں کرنے لگا ہے۔ ۔۔۔۔۔ (اُسے چومتا ہے) ارے ایسے گھبراتے کیوں ہو؟ ٹھہرو مجھے اپنے گال کے ساتھ گال رگڑنے دو۔

یوگ: (جیسے پرے ہٹ رہا ہے) نہیں پتا جی! مجھے بہت کھردرے معلوم ہوتے ہیں۔

(ہنستے ہیں)

ماں: یوگ کے آنے سے پہلے میرے دن پہاڑ برابر ہو رہے تھے۔ جتنا بھی کام کر دیوں معلوم ہوتا تھا جیسے ایک پل میں ختم ہو گیا اور اس کے بعد دن...... یوں پتہ چلتا تھا۔ جیسے کوئی بہت بڑا اجگر منہ پھاڑے آ رہا ہے...... جو نہ کھاتا ہے اور نہ چھوڑتا ہے...... پھر یوگ آیا تو کام ہی کام نظر آنے لگا جیسے اُدھڑے ہوئے..... گچھے میں سے تار نکلتا ہی چلا آتا ہے......

شری پت: میں آپ کا بہت احسان مند ہوں۔ شاید میں پورے طور سے اس کا بدلہ نہ چکا سکوں۔

ماں: (شک میں پڑتے ہوئے) آپ اس کا بدلہ کیوں چکائیں گے؟..... یوگ جیسے آپ کا بیٹا ہے ویسا ہی میرا

شری پت:...... نہیں...... میں آپ کا احسان کبھی نہیں اُتار سکتا۔

(دروازے پر دستک سنائی دیتی ہے)

ماں: اگر آپ بُرا نہ منائیں تو ایک بات پوچھوں آپ سے؟ ---- پھر مجھے چلے بنانا ہے پتیاں آگئیں شاید.......

شری پت: بڑے شوق سے پوچھئے ———

ماں: آپ جوتن کے ہاں کیسے پہنچ گئے؟

شری پت: یوں ہی!..... اور کہاں جاتا؟

ماں: آپ کو پتہ نہیں تھا کہ یوگ یہاں رہتا ہے؟

شری پت: یوگ کے ہونے کا مجھے ابھی پتہ چلا ہے۔

ماں: آپ نے کسی سے نہ پوچھا؟

شری پت: صرف جوتن کی ماں سے پوچھا تھا۔ اس نے کچھ اس طریقے سے جواب دیا کہ میں نے پہلی اطلاع کو درست سمجھ لیا۔ اب یہ ماننا تا شکر ہے کہ....

ماں: آپ جوتن کے گھر والوں کو پہلے جانتے تھے؟

شری پت: ہاں جانتا تھا —— جوتن کی ماں کو جانتا تھا۔ یہ آج سے دس سال پہلے بھی ایسی ہی تھی جیسے آج ہے۔ دراصل کئی عورتیں بوڑھی ہی نہیں ہوتیں۔ ہلڈانگ میں ایسی ہی ایک عورت ہے تھئی (THEI) نام کی جیسے اس کے لکڑی کے مکان پر کی بیل پر ہمیشہ بہار رہتی ہے ویسے ہی اس پر......

ماں: جوتن کی ماں آج سے دس سال پہلے بھی ایسی ہی "آزاد" تھی!

شری پت: ہاں...... بالکل ایسی ہی۔

ماں: گویا آپ کو پتا تھا یہ ایسی عورت ہے تو پھر اس کے مکان پر......

شری پت: بات دراصل یہ ہے......

لوگ: ماں پھر بازار بند ہو جائے گا مجھے چیزیں خریدنا ہیں۔

ماں: لو۔ تم پیسے لو اور بازار چلے جاؤ ——

شری پت: ابھی لوگ کو رہنے دیجئے.....

ماں: کچھ کھانے کو بھی لینا آئے گا۔

شری پت: میں نے کھانا مجھے کچھ ایسی بھوک بھی نہیں ہے۔ باقی رہی دوسری چیزیں تو کل صبح میں آپ کے ساتھ جاکر ریل کے وقت سے پہلے خرید دوں گا۔ کل اتوار تو نہیں؟

ماں: نہیں کل سنیچر ہے۔

شری پت: اچھا یہ کام ختم ہی کر آتے تو اچھا ہے میرا مطلب تھا کہ اتنی دیر کے بعد ملے ہیں۔ تو ذرا پیار محبت کی باتیں ہو جاتیں لیکن ساری لاٹ پلٹی ہے اس کے لئے......

ماں: تو اچھا.... نہیں اسے نہ جانے دیجئے..... میرے خیال میں لوگ کو یہیں رہنا چاہیئے۔

شری پت: یہ تو میں نے پہلے کہا تھا۔

ماں: آپ نے ٹھیک کہا تھا۔

شری پت: آپ خفا تو نہیں ہو گئیں —— ؟

ماں: میں کیوں خفا ہونے لگی —— ؟ اُلٹا مجھے خیال ہے کہیں آپ..... ؟

شری پت: نہیں میں ایسا آدمی نہیں ہوں۔ مجھ پر جو آدمی الزام لگائے مجھے اس پر رحم آتا ہے وہ ضرور کسی نہ کسی حسد اور بغض کا شکار ہوتا ہے۔

ماں: آپ کا مطلب ہے میں نے کہ تنا کی بابت جو پوچھا ہے تو.....

شری پت: نہیں نہیں —— میرا کسی خاص بات کی طرف اشارہ نہیں۔ میں اُن کے ہاں ٹھہر سکتا تھا یہ بڑی شہرت والے گھر ہی ہیں، جہاں مجھ ایسے آدمی کو پناہ مل سکتی ہے۔

ماں: مجھ ایسے کیوں کہا آپ نے ؟

شری پت: ہاں بابا! ایک آدمی جس کے کوئی عورت نہ ہو۔ اور محلے بھر میں جس کی واقفیت نہ ہو اور کون ٹھہرنے کے لئے جگہ دیتا ہے ؟

ماں: آپ میرے ہاں بے کھٹکے آسکتے تھے۔

شری پت: میں نے پہلے عرض کیا نا کہ مجھے لوگ کی بابت پتہ نہیں تھا اور دوسرے یہ کہ ....مثلاً مجھے اب بھی کھٹکا ہے.......

ماں: آپ کو کس بات کا کھٹکا ہے ؟

شری پت: نہیں اپنی ذات کی فکر نہیں —— مجھے آپ کا خیال ہے۔

ماں: نہیں اس بات کا خیال نہ کیجئے۔ لوگ نہیں جانتے کہ آپ لوگ کے پتا ہیں اور میں اس کی ماں....... ؟

شری پت: یہی بات تو آپ کے لئے مفید نہیں۔

ماں: لیکن وہ جانتے ہیں میں اُس کی..... اُس کی..... سگی ماں نہیں ـــــ

شری پت: سگی ماں ہوتیں تو مجھے ڈر کاہے کا تھا؟

ماں: اوہ! (وقفہ) ٹھہریئے! میں آپ کے لئے چائے بناؤں..... آپ ہلکی پیتے ہیں..... یا..... سخت.....

شری پت: تیز

ماں: تیز؟..... اچھا..... اچھا..... (جاتی ہے)

شری پت: لوگ بیٹا! کہو کیا حال ہے؟ میں نے پچھلے چھ سات سال میں بہت دکھ سہے بیٹا! تمہیں اپنی ماں کی شکل یاد ہے؟

لوگ: ہاں پتا جی۔ یونہی تھوڑی تھوڑی۔ اب جو یاد کرتا ہوں تو کبھی ان کی شکل سامنے آجاتی ہے اور کبھی نہیں اور اُن کی شکل اِن کی شکل میں گھل مل جاتی ہے!

شری پت: تمہیں اپنی یہ ماں پسند ہے؟

لوگ: مائیں بھی پسند کی جاتی ہیں بھلا ـــــ؟ ماں تو ایک ہی ہوتی ہے کالی ہو گوری ہو...

شری پت: (گھبرا کر) ہاں! ماں کے چننے کا اختیار کس کو ہے؟ بیٹا! تم تو بہت سیانی باتیں کرتے ہو۔ ادھر آؤ۔ میرے پاس۔

لوگ: ـــــ اوں ہوں!

شری پت: ایسے گھبراتے کیوں ہو؟

لوگ: آپ میرا مُنہ تو نہیں چومیں گے؟

شری پت: باپ اپنے بیٹوں کا مُنہ چومتے ہیں۔ اور جو باپ سات سال کے بعد اپنے بیٹے کو ملے اور پھر ایسے بیٹے کو جس کی بابت سن رکھا ہو کہ اس دنیا ہی میں نہیں۔

لوگ: لیکن میں بہت بڑا ہو گیا ہوں نا؟

شری پت : ارے کتنے بڑے ہو گئے ہو ؟ (پکڑنے کی کوشش کرتا ہے) میرے لئے
تو تم کچھ بھی نہیں۔

لوگ : اوں ہوں۔ ماں دیکھ رہی ہے۔

شری پت : (ہنستے ہوئے) لو دیکھنی رہے۔ وہ دور بیٹھی ہے۔ ارے سنو۔ ماں جب
باپ کو بیٹے کا منہ چومتے دیکھتی ہے تو وہ خوش ہوتی ہے۔

لوگ : نہیں پتا جی۔ ماں شرما رہی ہے اس کے کان ادھر ہی ہیں۔

شری پت : وہ تو آگ کے پاس بیٹھنے سے اس کا چہرہ لال ہے۔ اچھا میری بات سنو
. . . . . تمہاری ماں کو میں جانتا ہوں۔ اُن دنوں میں باہر گیا تھا — جب یہ
بیاہی آئی تھیں۔ بدقسمت بے چاری! ابھی عمر ہی کیا ہے تیس بتیس برس کی ہوں گی۔

لوگ : ہاں یہی عمر ہے۔

شری پت : جو تن کی ماں سے بہت چھوٹی ہیں ——— اور یوں بھی . . . .

لوگ : جوتن کی ماں کا نام نہ لیجئے۔ اس کا نام لینا گناہ ہے۔

شری پت : لیکن وہ ہر انداز سے . . . . خیر چھوڑو۔ تم اسے ماں بنانا پسند کرتے ہو ؟

لوگ : ماں تو ہیں ہی۔ بنانے کی کیا بات ہے ؟

شری پت : نہیں بیٹا! شاید تمہیں . . . . (ماں چائے لے کر آ جاتی ہے)

لوگ : میں کہتا ہوں پتا جی ——— ماں چائے لے آئیں۔

ماں : آپ ذرا کوٹ ووٹ اتار کر بیٹھ جائیے۔ ہاں لائیے۔ مجھے دے دیجئے۔ کوئی
دھوتی ووتی دے دوں ؟ (وقفہ ——— جس میں دھوتی کی تلاش کرتی ہے)
آپ اُدھر جا کر کپڑے تبدیل کر لیجئے اور ذرا آرام سے۔

شری پت : نہیں دھوتی ووتی کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ ہم وہاں ایمرجنسی میں کپڑوں
سمیت سونے کے عادی ہو چکے ہیں۔ البتہ مجھے غسل خانہ بتا دیجئے سکدھر ہے

میں چلتے پھلنے سے پہلے ......

ماں: وہ رہا برآمدے اور پیچھے کے درمیان ـــــ وہ نالی کے ساتھ۔

شری پت: یہ لیجئے میرا کوٹ

ماں: آپ نے کوٹ کے نیچے صرف بنیان ہی پہن رکھی ہے۔

شری پت: دراصل یہ ملٹری کے انداز میں سلا ہوا ہے۔ اسے کوٹ نہیں کہتے ـــــ (جاتے ہوئے) سامنے جیب میں پیسے ہیں ذرا۔

ماں: بے فکر رہیئے یہاں میرے اور یوگ کے سوا اور کون آتا ہے (یوگ سے) تم مجھے چھوڑ تو نہیں جاؤ گے بیٹا؟

یوگ: نہیں چھوڑ جاؤں گا ماں ـــــ اُلٹا تم ہی مجھے اُن کے حوالے نہ کر دینا۔

ماں: نہیں میرے لال۔ تمہیں میرے ہاں سے کون لے جا سکتا ہے۔ وہ کیا پوچھ رہے تھے......؟

یوگ: کہہ رہے تھے۔ میں جانتا ہوں تمہاری ماں کو۔ جن دنوں میں گیا تھا۔ انہی دنوں بیاہی آئی تھیں۔ بدقسمت بے چاری!

ماں: اچھا؟ مجھ پر ترس کھاتے ہیں۔ بھلے آدمی معلوم ہوتے ہیں...... لیکن جب میں بیاہی آئی تھی۔ تو میں نے انہیں نہیں دیکھا ـــــ ہاں تھوڑا بہت دیکھا تھا۔ ......اور کیا کہتے تھے؟

یوگ: کہتے تھے ابھی عمر ہی کیا ہے یہی تیس بتیس برس کی ہو گی۔ میں نے کہا۔ ہاں یہی عمر ہے۔

ماں: اچھا! عمر بھی پوچھی تھی ـــــ اور تم نے کہا کتیس بتیس برس کی ہو گی؟

یوگ: ہاں تو اور کیا۔

ماں: اسے کہاں بیٹا۔ میں دکھوں مصیبتوں کی وجہ سے اس عمر کی نظر آتی ہوں ورنہ

میری عمر ستائیس سال کی ہے جنتر
یوگ : کہہ رہے تھے جوتن کی ماں سے بہت چھوٹی ہیں —— اور یوں بھی ۔۔۔۔۔۔
ماں : —— یوں بھی ۔۔۔۔۔؟
یوگ : اس کے بعد چپ ہو گئے۔
ماں : اچھا میں سمجھ گئی —— جوتن کی ماں چالیس برس سے کم کی کیا ہو گی۔ اور پھر محلے کے لوگ اسے جس طرح جانتے ہیں تمہیں پتہ ہی ہے۔
یوگ : ہاں ماں مجھ سے کیا چھپا ہوا ہے۔
ماں : کوئی اور بات بھی پوچھی ہو گی ؟
یوگ : اور پوچھتے تھے تم اسے ماں بنانا پسند کرتے ہو؟ میں نے کہا۔ ماں تو ہیں ہی —— بنانے کی کیا بات ہے۔ اس کے بعد تم چلی آئیں۔
ماں : اچھا ۔۔۔۔ (سوچتے ہوئے) ۔۔۔۔ بھگوان نے میری سن لی اور تمہارے پتا گھر آ گئے ۔۔۔۔ بس میں تو یہ چاہتی ہوں کہ تمہیں کہیں دیس بدیس نہ لئے پھریں ۔۔۔۔۔ اور اگر تم جاؤ تو تمہارے ساتھ میں بھی جاؤں گی ۔۔۔۔۔ میں اب اکیلی نہیں رہ سکتی۔ کسی سنبندھی کو میرا خیال نہیں آتا ۔۔۔۔ میرے دیور بھی میرے نام کی مالا جپتے ہیں۔ وہی تمہارے چچا جو آج کل دلیش کے آگو بنے ہوئے ہیں جنہوں نے سٹرک کی ٹھیکیداری کی رقم میں دبا حاصل کی۔ کہتے ہیں گھر کی لاج رکھے بیٹھی ہے اور یوں میرے پہننے کے لئے ایک چیتھڑا تک دینے کو تیار نہیں۔ میں اس جھوٹی لاج کو کیا کروں ۔۔۔۔۔؟ اس مہنگائی میں جو مجھ غریب کا حال ہوا ہے وہ اچھی طرح سے جانتے ہیں —— لیکن اب مجھ سے خالی خولی تعریف نہیں سنی جاتی۔
یوگ : ماں، تم بہت اونچی آواز میں بولنے لگی ہو اور تمہاری آنکھوں میں ۔۔۔۔۔
ماں : نہیں ۔۔۔۔ نہیں ۔۔۔۔۔

یوگ: نہیں ماں اب ہمارے اچھے دن آ رہے ہیں۔

ماں: ہاں بھگوان بڑی نظر سے بچائے...... اڑوس پڑوس نے پہلے ہی جلنا شروع کر دیا ہے۔

یوگ: وہ جوتن کی ماں ——— بڑی فضول عورت ہے...!

ماں: دیکھو تمہارے پتا کتنے مضبوط آدمی ہیں! تمہیں بھی ان ایسا بننا چاہیئے بیٹا لیکن تم ہو کہ دودھ دہی کو منہ نہیں لگاتے اور تلی ہوئی دال کو پسند کئے جاتے ہو..... دیکھو اُن کے بازو...... ان میں کیسی مچھلیاں سی نظر آتی ہیں اور کتنا.......

یوگ: کیا پتہ پتا جی میری عمر میں مجھ ایسے دُبلے پتلے ہوں ——— ماں! پتا جی کی چھاتی پر لمبے بال کیوں ہیں؟

ماں: مردوں کے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ جب تم جوان ہو گے تو تمہاری چھاتی پر بھی بہت سے بال ہوں گے۔ لو وہ آ گئے۔

شری پت: (قریب آتے ہوئے) آپ نے چائے پینی شروع کر دی ہوتی۔

ماں: آپ کے بغیر ہی؟

شری پت: اوہ ——— اور یہ سموسے آپ نے کہاں سے منگوا لئے...... بڑے اچھے ہیں۔ یہ چوپڑتی سموسے!...... "

ماں: صبح یوگ کو سکول جانا ہے نا ——— اس کے لئے منگوا رکھے تھے...... میں کہتی ہوں آپ لیٹ جائیے۔ ابھی آپ بہت تھکے ہوئے نظر آتے ہیں۔ آپ کا بیٹا آپ کے پاؤں دبا دے گا کیوں بیٹا؟

یوگ: ہاں پتا جی۔ آپ لیٹ جائیے۔ میں آپ کے پاؤں دبا دوں گا۔ (کھلتے ہوئے)

شری پت: نہیں بیٹا۔ مجھے عادت نہیں..... نہیں نہیں..... اچھا..... میں اس تپائی پر بیٹھتا ہوں۔ دیکھوں تو میرے بیٹے میں کتنا زور ہے (یوگ دباتا ہے) ارے آہستہ

تم تو بڑے نٹ ذور نکلے ۔ (ماں پیالی پیش کرتی ہے)

ماں: لیجئے ——— یہ پیالی ۔

شری پت: اور آپ

ماں: میں آپ کے لئے بستر لگادوں ۔

شری پت: نہیں ابھی بہت وقت ہے ۔ میں شاید یہاں سو نہ سکوں ۔

ماں: آپ یہاں سو نہ سکیں ؟ ——— کیوں ؟ ..... اور کہاں جائیں گے آپ ——— ؟

شری پت: دیکھیے نا ؟ یہ کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا ..... آپ سب کچھ سمجھتی بوجھتی ہیں ۔

ماں: لیکن اس میں حرج کیا ہے ؟ کوئی کچھ نہیں کہے گا ۔

شری پت: یہ بات بہت درست نہیں معلوم ہوتی ۔

ماں: نہیں آپ یہیں آرام کیجئے ۔ میں آپ کو کہیں نہیں جانے دوں گی ۔ میں آپ کمبودا ٹے چلی جاؤں گی ۔ وہاں میری ایک سہیلی رہتی ہے ۔ اس کا مرد باہر گیا ہوا ہے ۔

شری پت: نہیں میں آپ کو ایسی تکلیف نہیں دوں گا ۔ میں اس وقت کہیں رات کاٹ لوں گا ۔ پھر کل دن کو یہاں آجاؤں گا ! پھر سارا دن آپ کے پاس رہوں گا !

ماں: آپ جائیں گے کہاں ؟

یوگ: کیا آپ جوتن کے ہاں جائیں گے ؟

شری پت: ارے نہیں بیٹا ! میں یہاں کسی ہوٹل وو ٹل میں رات کاٹ لوں گا ۔ پھر قریب کے محلے میں میرا ایک دوست بھی رہتا ہے !

ماں: نہیں ! میں آپ کو باہر نہ جانے دوں گی خواہ مجھے آپ کہیں جانا پڑے ۔ دیکھیے ہمارا دل نہ توڑیئے ۔ یوگ کیا کہے گا ! اس معصوم بچے کے دل پہ کیا گزرے گی ؟ کیا دنیا میں ہر جگہ پاپ اپرادھ ہی ہوتا ہے ؟ کیا یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک مرد اور ایک عورت ایک چھت کے تلے سو سکیں ! اور ان کے نام پہ کوئی دھبہ نہ آئے ؟

شری پت : ابھی تک دنیا والے اتنے بڑے دل والے نہیں ہوتے اور پھر اگر آپ اجازت
دیں تو ایک رات کے لیے میں یوگ کو ساتھ لیتا جاؤں۔

ماں : اور میں یہاں اکیلی رہ جاؤں ؟.....

شری پت : (سوچتے ہوئے) اچھا! یہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن یوگ کے بنا مجھے بھی نیند نہیں
آئے گی۔ آج آٹھ سال کے بعد میں اپنے بیٹے سے ملا ہوں۔ آپ نہیں جانتیں کہ میں
آپ کا کتنا احسان مند ہوں۔ مجھے شبد نہیں ملتے۔ جن سے میں آپ کی تعریف کروں۔
میں اتنا بڑا قرض نہیں اتار سکتا۔

ماں : لیکن یوگ کے بغیر میں بھی نہیں رہ سکتی۔ آپ نے اپنی طرف سے یوگ کو.......
آپ سمجھتے تھے یوگ اس سنسار میں نہیں ہے۔ میں نے اُسے لے کر پالا۔ اب آپ
اُسے ایک رات کے لئے بھی نہیں لے جا سکتے...... مجھے کچھ وشواس نہیں آتا
ہائے، میں کیا کروں۔ میں بہت گھبرا رہی ہوں۔

شری پت : اچھا، اس بات کا اس کے سوا اور کوئی علاج نہیں کہ میں یہیں رہ جاؤں صرف
—— صرف مجھے آپ کی عزت کا خیال ہے......

ماں : نہیں۔ میری طرف سے آپ کو یہ آگیا ہے کہ آپ باہر سو جائیں۔ لیکن بھگوان کے لئے
یوگ کو نہ لے جائیے۔ میرا حوصلہ نہیں پڑتا اور اگر آپ یہاں سونے کے لئے تیار ہیں
تو یہ سمجھ لیجیے کہ مجھے اپنی عزت کا زیادہ خیال ہے۔

شری پت : اچھا، لیکن مجھے آپ سے ایک بات اور کرنا ہے۔

ماں : کہئے —— کس بارے میں آپ.....

شری پت : یہی یوگ کے بارے میں

ماں : (گھبرا کر) یوگ کے بارے میں آپ کیا چاہتے ہیں ؟

شری پت : یہی کہ —— یوگ کو میں لے جانا چاہتا ہوں۔ میں آپ کا دھنواد ی ہوں آپ

جو خدمت کہیں۔ میں کرنے کو تیار ہوں۔لیکن یوگ۔ میرا بیٹا ہے۔

ماں: نہیں! نہیں! ــــ یوگ میرا بیٹا ہے آپ اپنی طرف سے اُسے مار چکے تھے آپ آج صبح سے یہاں آئے ہوئے ہیں۔ لیکن اس شام تک آپ یوگ کے پتا نہیں تھے۔ لیکن اب جب کہ ہیں تو ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نہیں میں یوگ کے بارے میں۔

یوگ: پتا جی ــــ ماتا جی کا کیا ہوگا۔ میں ۔ ۔ ۔ ۔ میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گا آپ ماتا جی کو بھی ساتھ لے چلئے۔

ماں: نہیں میں اس گھر سے باہر نہیں جاؤں گی اور نہ میں یوگ کو جانے دوں گی۔ کچھ تو پرتما سے ڈریئے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہے ایشورا پہلے تو نے میرا سہاگ چھینا۔ اس کے بعد میں نے اپنا دل اس بچے سے لگایا۔ میں نے دن رات اسے اپنا اپنا کہا اور آج اسے بھی مجھ سے چھینا جا رہا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

یوگ: تو یونہی اتنا گھبرا رہی ہے ماں! میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ میں نے تمہیں کہا نہیں تھا۔ کہ اگر میری سگی ماں بھی آجائے تو میں اس کے ساتھ نہ جاؤں۔

شری پت: دیکھئے، آپ گھبرائیے نہیں۔ میں زبردستی یوگ کو آپ کے پاس سے نہیں لے جا رہا۔ میں آپ سے اس کی بھیک مانگتا ہوں۔ جب تک میں نے اُسے دیکھا نہیں تھا تب تک تو ٹھیک تھا۔ اب جب کہ میں نے اُسے ایک نظر دیکھ لیا ہے۔ تو میں اسے کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔

ماں: (روتی ہوئی) نہیں نہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ نہیں نہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

شری پت: اس بات پر ٹھنڈے دل سے غور کیجئے۔ یہ ٹھیک ہے کہ آپ نے اسے پالا ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ اگر آپ اُسے نہ پالتیں۔ تو آج میں اس بچے کا منہ نہ دیکھتا شاید یہ کہیں کسی ٹانگے ٹم ٹم کے نیچے آکر مر جاتا یا کسی یتیم خانے میں چلا جاتا اور زندگی بھر میں اس کا منہ نہ دیکھ سکتا۔ لیکن اب ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اب اصل حالات کو دیکھئے ۔ ۔ ۔ ۔ اور قانون

کی نظروں میں بھی یوگ میرا بیٹا ہے!

ماں: میں نے جب اسے لیا تو اسی لئے کہ اس کا دنیا میں نہ کوئی ماں ہے نہ باپ......
ماں تو اس کی مر چکی تھی۔ کاش باپ بھی..... نہیں میں آپ سے کتنا چاہتی ہوں۔ میں نہیں جانتی میں کیا کہہ رہی ہوں۔ مجھے پتہ ہے کہ میں ابھاگی جس چیز کو اپنا کہوں گی وہ پرائی ہو جائے گی۔

تسری پت: یہ سمجھ لیجئے کہ آپ ہی اس کی ماں ہیں آپ جب جی چاہے اس سے مل سکتی ہیں اسے اپنے پاس بلا سکتی ہیں اور اگر آپ کی طبیعت چاہے تو میں آپ کو اس بچے کی خاطر ہلڈانگ سے جا سکتا ہوں۔

ماں: نہیں۔ میں اس گھر سے باہر قدم نہیں رکھوں گی میرے سواس یہیں ختم ہوں گے میں اس گھر کو نہیں چھوڑوں گی اور یوگ بھی یہیں رہے گا۔

یوگ: نہیں پتاجی! میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ آپ سے ہو سکتا ہے تو اپنے کاروبار کو سمیٹ کر یہاں لے آئیے۔ میں کہیں نہیں جا سکتا۔ میری پڑھائی میں ہرج ہوتا ہے۔

ماں: نہیں۔ آپ کو کسی نے بہکایا ہے۔ ورنہ آپ اتنے پتھر دل نہ ہوتے۔ آپ ہی کا بیٹا آپ سے منت کر رہا ہے۔ وہ بیٹا جسے آپ نے کھو کر پا لیا ہے جسے آپ آٹھ سال کے بعد ملے ہیں۔ ہائے ایشور۔ اس سنسار میں دکھ ہی دکھ ہے!

تسری پت: دیکھئے آپ بھاوناؤں سے کام نہ لیجئے۔ ٹھنڈے دل سے غور کیجئے۔ محلے پنچایت سے صلاح کر لیجئے۔ سب یہی کہیں گے کہ تسری پت اس بچے کا باپ ہے۔ اس لئے وہ اسے لے جائے گا۔ باقی رہا۔ اس آٹھ سال کا خرچ وغیرہ۔ سو آپ جتنا چاہیں۔ مجھ سے لے سکتی ہیں۔ یہ کچھ روپیہ میں ابھی آپ کی بھینٹ کرتا ہوں۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ آپ کی تچھ سیوا ہے۔

ماں: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں نے ان روپوں کی خاطر اس بچے کو پالا؟ کیا میرا یہ خیال تھا کہ یوگ کا باپ آئے گا اور مجھے روپے دے کر اسے لے جائے گا۔ آپ ماں کی محبت کا مول دے رہے ہیں؟ آپ مجھے اتنا نیچ سمجھتے ہیں......

یوگ: پتاجی! آپ ماں کو رُلا رہے ہیں۔ اگر آج...

شری پت: نہیں میں ماتا کا مول تول نہیں کر رہا۔ میں صرف یہ پیسے اس لئے دے رہا ہوں کہ شاید پیسوں سے یوگ کی کمی پوری ہو جائے۔ جیسے پیسے والی بیوہ اپنے رنڈاپے کے دن تھوڑی آسانی سے کاٹ لیتی ہے.....

ماں: نہیں میں پیسے والی عورت ہوتی تو ایک دن بھی رنڈاپا نہ کاٹ سکتی (بلند آواز میں) آپ ہٹا لیجئے؟ میرے سامنے سے پیسے —— ہٹا لیجئے —— اُٹھا لیجئے ——

(پیسوں کے ساتھ تپائی پر سے دوسری چیزیں بھی گر جاتی ہیں)

شری پت: ان باتوں سے میں اپنے بیٹے کو نہیں چھوڑ سکتا۔

یوگ: (روتے ہوئے) میں ماں کے پاس رہوں گا۔

ماں: لے جائیے ان پیسوں کو جس نے آپ کو بہکایا ہے۔ اس کی بھینٹ کر دیجئے شاید اُسے پیسوں کی ضرورت ہو مجھے نہیں۔ میں یہ ہانی نہیں جھیل سکتی۔ جائیے یہاں سے چلے جائیے۔ اپنے بیٹے کو بھی ساتھ لے جائیے۔ اگر میری چیز ہوتی تو میرے پاس رہتی۔

شری پت: لیکن سنئے تو......

ماں نہیں، میں آپ کی کوئی بات سننے کو تیار نہیں چلے جائیے اور اپنے بیٹے کو بھی لے جائیے میں اس کی ماں نہیں۔ میں اس کی ماں بننے سے انکار کرتی ہوں میں نے دس سال کا رنڈاپا کاٹا ہے تو اسے بھی سہہ جاؤں گی۔ اگر میں اتنے کڑے دل کی عورت نہ ہوتی

تو ہیں اس طرح بدھوا نہ ہوتی ــــــ

یوگ: ماں۔

ماں: چلے جایئے یہاں سے، لے جایئے اپنے بیٹے کو اور ان کاغذ کے پرزوں کو......

خبردار جوان دہلیزوں پر شری پت اور اس کے بیٹے نے قدم رکھا تو......میں ابھی

پولیس کو بلواتی ہوں ــــــ میں نہیں جانتی تھی۔ انسان اتنا کمینہ ہو سکتا ہے کہ وہ

ان چیزوں کا سودا کرے...... جاؤ.... چلے جاؤ

شری پت: چلو بیٹا۔

یوگ: میں نہیں جاؤں گا ــــــ نہیں جاؤں گا۔

شری پت: نہیں، ہم چلیں گے... (یوگ کی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے) لیکن مجھے

بہت افسوس ہے کہ...... اچھا

ماں: ایک دم سیڑھیوں سے اُتر جایئے۔

(کچھ دیر کے لئے شری پت ٹھٹک جاتا ہے ــــــ پھر یوگ کو اُس کے احتجاج

کے باوجود دروازے کی طرف لے جاتا ہے)

یوگ: میں نہیں جاؤں گا ــــــ میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔

(انتہائی غیض یوگ کی ماں پر غلبہ پالیتا ہے)

ماں: ...... شاید...... شاید اس کمینے آدمی کے دل میں کبھی یہ خیال آئے کہ اس نے

غلطی کی۔ شاید وہ پہنچتا تاپ کے لئے پھر ان سیڑھیوں پہ قدم رکھے۔ (دانت پیس کر)

.... ذرا بات سنتے جایئے گا۔

(شری پت واپس آتا ہے اور یوگ کا راستہ روکنے کی غرض سے

دروازے میں کھڑا رہتا ہے)

یوگ: مجھے اس طرح نہ نکالو ماں ــــــ میں مر جاؤں گا، ماں!

ماں: ٹھہرو..... تم نے استری کی بھاؤناؤں کا مول ڈالا ہے نا۔ ممتا کی قیمت لگائی ہے
—— تو میں تمہارا مول نہیں لگا سکتی؟ لاؤ روپے اِدھر پھینکو تاکہ میں تم ایسے کمینہ
رذیل انسان کو کبھی بھولے سے نہ دیکھ پاؤں —— شاید کہیں پہنچا تاپ پھر تمہارے
نیچ قدم میرے دروازے پر ڈال دے۔

شری پت: (پیسے دیتے ہوئے) لیجئے —— لیکن میری بات تو سنیئے۔

ماں: یہاں رکھ دیجئے پیسے —— اور اب جائیے (بلند آواز میں) دیکھ کیا رہے ہیں
—— چلے جائیے، اس سمے.....

(شری پت گھبرا کر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ یوگ کی ماں غش کھا کر پلنگ پر گر جاتی
ہے —— پردہ گر جاتا ہے)

نقلِ مکانی

نفیس : ایک معمولی آدمی جو محکمہ نہر میں ملازم ہے
عذرا : نفیس کی قبول صورت بیوی ـــ گانے کا شوق رکھتی ہے۔
مراتب : کاٹھ بازار کا پنواڑی
سیاں : ایک آوارہ اور ذہین طالب علم جس کا اصل نام امجد حسین ہے
بنواری لعل
مرزا شوکت : محلہ دار
سب انسپکٹر مائیکل
دو سپاہی
شیو برت : ایک عیاش رئیس

پہلا منظر

محلہ کاٹھ بازار کا ایک مکان نفیس اور اُس کی بیوی عذرا اس مکان میں نئے آئے ہیں۔ ابھی ان کا سامان اِدھر اُدھر بکھرا پڑا ہے جسے دونوں میاں بیوی قرینے سے دھرنے میں مصروف ہیں۔

عذرا: (آرام کے لئے رکتے ہوئے) توبہ! کتنی خاک چھانی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور جو ملنے کو آیا مکان تو کیسے جھٹ سے مل گیا۔

نفیس: (چارپائی پر بیٹھ کر اپنا نیا جوتا اتار دیتا ہے اور اپنے پاؤں سہلاتا ہے) ہاں، اسی بات پہ تو میں حیران ہو رہا ہوں۔ دراصل مجھے ابھی تک یقین نہیں آرہا کہ میں کسی اور مکان میں بیٹھا ہوں ۔ ۔ ۔ پاؤں ابھی تک دکھ رہے ہیں۔ ایک سارے دن کی دوڑ دھوپ، دوسرے نیا جوتا ۔ ۔ ۔ ۔ (پلٹ کر) عذرا تھوڑا پانی تو گرم کر دو بھئی

عذرا: معلوم ہوتا ہے حکام کا پیندا اس ادلا بدلی میں ٹوٹ گیا ہے۔ لیکن پانی گرم ہو جائے گا۔

نفیس: جب بوجھ کو سر پہ سے پھینک دیا جاتا ہے تو کتنی دیر یوں معلوم ہوتا ہے جانے کوئی اوپر کی طرف اٹھا رہا ہے۔ اتنی تھکن اور تکلیف کے ہوتے ہوئے بھی ایک طرح کے سیک پنے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

عذرا: چشمِ بددور! بس انہی دو کمروں کی ضرورت تھی اور اتنا ہی کرایہ دینے کی توفیق ——— مہنگائی کے ان دنوں میں سولہ روپے بھی بھلا کوئی کرایہ ہے؟

(پھر کام میں مشغول ہو جاتے ہیں)

نفیس: اندازہ کرو۔ وہ حویلی لیکانیؔ والے اُن کمروں کے پچاس روپے بتاتے تھے۔ شاید انہیں سمجھنے والا نہیں کوئی میں سنے تو کہہ دیا تھا کہ تنخواہ قرق کر لیا کرو صاحب سوچو، اتنے کمروں کی ہمیں ضرورت بھی کیا تھی؟

عذرا: اور جو نئی آبادی میں کمرے دیکھے تھے، یاد ہیں ؟ سیل کتنی دور چھت کی طرف لپک رہی تھی اور پڑوس کی گوجرانی بضد کہ ہم اوپلے دیوار ہی پر تھاپیں گے... لے بھئی تو اب تھاپ لے اُپلے جی بھر کے (رُک کر) لیکن میں اگر وہاں رہ جاتی تو اُسے بتا دیتی ایک بار۔

نفیس: ہاں، وہ تو تمہاری بات ہی ہے۔

عذرا: اور وہاں کوڑا کرکٹ جلانے والی چمنی بھول گئے ؟..... اُوف..... اُوف..... کتنی بُو آتی تھی!..... (ناک پر دوپٹہ رکھ لیتی ہے)

نفیس: اس پنواڑی نے کس آرام سے چابیاں تھما دیں میرے ہاتھ میں (یک دم رُک کر) مجھے تو کچھ دال میں کالا کالا نظر آتا ہے۔

عذرا: اور کہہ رہا تھا کہ مہینے بھر سے خالی پڑا ہے مکان، کوئی گاہک نہیں لگا ہو گا مہینہ بھر میں بھلا ؟

نفیس: خدا جانے کیا معاملہ ہے ؟ —— یہ دیواریں کچھ خراب ہیں، لیکن... (دیوار کو چھوتا ہے)

عذرا: کہاں خراب ہیں دیواریں ؟ ... بس ذرا سا شک پڑا تو دیواریں بھی خراب نظر آنے لگیں، چھت بھی گرتی ہوئی دکھائی دینے لگی، کواڑ بھی پر لتے ہیں، تم کہنے لگو گے بالکل ٹوٹے ہوتے ہیں....... (طاق کے اوپر اور نیچے سیاہ نشان دیکھتے ہوئے) شاید شمعدان بنا رکھا تھا ہم سے پہلے ادھر رہنے والوں نے... میں کہتی ہوں یہاں بجلی نہیں ہے کیا ؟

نفیس: ہے تو، لیکن شاید وہ لوگ بجلی استعمال نہ کرتے ہوں۔

عذرا: (ہنس کر) شاید اندھیرا پسند کرتے ہوں۔

نفیس: تمہیں اندھیرے کے معجزوں کا کیا پتہ۔ جب اندھیرا ہوتا ہے تو بہت سی خدائی کا ایک

طرح سے دن شروع ہوتا ہے (میز کو کونے کی طرف سرکاتے ہوئے) ......
اس میز کو ہاتھ دیجیو ذرا ......
(کونے میں پڑے ہوئے گھنگرو نفیس کے پاؤں کے ساتھ ٹکراتے ہیں)
اے ہے ـــــ یہ کہاں سے آئے؟

عذرا: (میز رکھ کر) دکھاؤ

نفیس: ہم سے پہلے یہاں رہنے والے اسے یہیں بھول گئے۔

عذرا: ان میں سے کوئی ناچتا ہوگا۔

نفیس: تمہارے لئے چھوڑ گئے معلوم ہوتے ہیں لیکن انہیں کیا معلوم کہ نئے آنے والوں میں بھی کوئی گانے کا شوق رکھتی ہے اور گا ہے ملہے ـــــ

عذرا: گاہے ملہے کیا؟

نفیس: ـــــ تھرک بھی جاتی ہے۔

عذرا: اوہو، جلتے ہی نہ ہوں بھلا

نفیس: ذرا پاؤں میں باندھو اور ......

عذرا: ہونہہ! اسباب جوں کا توں بکھرا ہوا ہے اور آپ کو اپنی پڑی ہے ...... میں سوچتی ہوں اس شمعدان میں سرسوں کا تیل جلانے والے استنے با مذاق تھے؟

نفیس: تو کیا خوش مذاقی کا امیر لوگوں نے اجارہ لے رکھا ہے (عذرا کے سامنے میز پر بیٹھ جاتا ہے) اپنی طرف دیکھو تم ......

عذرا: (شرما کر) چلو ہٹو۔

نفیس: بات یہ ہے تم بھی عام آدمیوں کی طرح باہر کی ٹیپ ٹاپ دیکھتی ہو۔ میں اگر اچھی شکل والا ہوتا اور اچھے کپڑے پہنے ہوئے ہوتا تو شاید مکان کے لئے مجھے اتنا پریشان نہ ہونا پڑتا جس کے سامنے جا کر مکان کے لئے سوالی ہوا اُس نے پہلے مجھے سر سے

پاؤں تک ماپا اور پھر جھٹ سے کہہ دیا — کون سے زمانے کی بات کہتے ہو میاں،
راستہ پکڑو ۔۔۔۔۔ گویا میں اُٹھائی گیرا ہی تو ہوتا ہوں۔
(غصے کے ساتھ میز پر سے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے) بعض دفعہ جی چاہتا ہے اٹھائی گیرا
ہی تو ہو جائے آدمی ۔۔۔۔۔
(عذرا کی طرف دیکھتا ہے تو غصہ اتر جاتا ہے) دُور کیوں جاؤں، میں اپنی عذرا کے
لئے وامق نہ ہوا ۔۔۔۔۔

عذرا: یہ وامق کون احمق تھا؟ ۔۔۔۔ اور پھر اس بات کا تقاضا کہ نا بھی تو سنک ہے کہ
کوئی آدمی کو اندر سے دیکھے اور باہر سے نہ دیکھے۔ تمہارا کیا خیال ہے رُوح جسم کو
خوبصورت یا بدصورت نہیں بناتی؟

نفیس: یہ الگ بحث ہے عذرا ۔۔۔۔ لاؤ ذرا ہتھوڑی پکڑانا، کھڑکی پہ کیل گاڑ دوں (کھڑکی
کی طرف بڑھتے ہوئے) میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر تم کسی کی شکل دیکھ کر اس کی طینت
کے متعلق شک کرو تو اس شخص کی بدطینتی پر افسوس نہیں کر سکتیں۔ ۔۔۔

عذرا: دیکھو، دیکھو، دیکھو ۔۔۔ یہ باہر جو کھڑکی کھلتی ہے، پان کی پیک سے بھری ہوئی ہے۔
اِدھر ہاتھ مت بڑھانا۔ میں کہتی ہوں ۔۔۔ یہ پان کی پیک، یہ شمعدان ۔۔۔۔۔۔
میرا ماتھا ٹھنکتا ہے، ذری بلانا تو نواڑی کو

نفیس: مراتب کو؟ — میں بلاتا ہوں۔ تُو ابھی دیا جلا دے، شام ہو رہی ہے۔

عذرا: دیا تو نہیں ہے لیکن اس کٹوری سے دیئے کا کام چل جائے گا۔

نفیس: ہاں ہاں اسی کٹوری کو شمعدان پر رکھ دو۔

عذرا: میں تو نہ رکھوں شمعدان پر کٹوری کو ۔۔۔۔۔ تم مراتب کو بلاؤ۔ یا تو اس جگہ چھوت کی
بیماری کا کوئی مریض رہا ہے اور یا ۔۔۔ یا ۔۔۔۔۔

نفیس: ورنہ آج کل جنگ کے دنوں میں اتنی دیر مکان خالی رہنے کے کیا معنی!

(دروازے سے باہر جھانک کر)

مراتب..... میاں مراتب، ذرا ادھر آنا بھا—— ئی!

(دُور سے آواز آتی ہے)

پنواڑی: آیا صیب!

نفیس: (عذرا سے) جانے کیا ماجرا ہے.... چھوت کی بیماری کے علاوہ کیا اندازہ لگانے لگی تھیں تم؟

عذرا: اس مکان میں کوئی پیر رہتا ہوگا اور یہاں رہنے والے اس کا دیا جلاتے ہوں گے۔ اور جہاں تک میرا خیال ہے ہفتہ بھر میں ایک دو دن ضرور پیر کا دیا جلانا پڑتا ہوگا نہیں تو بجلی والے اس مکان میں سرسوں کا تیل جلانا کیا مطلب رکھتا ہے؟

نفیس: اب تمہیں بھی اس مکان میں نقص نظر آنے لگے——ایک برس ہوا ہمیں مکان تلاش کرتے ہوئے تب کہیں جا کے یہ دو اچھے کمرے ملے ہیں۔

عذرا: میں خود اسے پسند کرتی ہوں لیکن.......

نفیس: میں لیکن ولیکن کچھ نہیں جانتا۔ مجھ سے اب مکان تبدیل نہ ہوا یہ سمجھ رکھیو..... چھوت کا مریض رہا ہوگا تو فرش فینائل سے دھولیں گے۔ سفیدی کروالیں گے۔ دیواریں کھدوا کر نیا پلستر کروالیں گے——پیر ہوا تو روز سرسوں کا دیا جلالیں گے۔

(دروازے میں مراتب نظر آتا ہے)

مراتب: حکم سرکار

نفیس: بڑے میاں ہمیں ایک بات پوچھنا ہے۔

عذرا: (ڈرے ہوئے) ہاں بڑے میاں۔ ٹھیک ٹھیک بتا دو۔ تم نہیں بتاؤ گے تو ایک دن، ہمیں اپنے آپ پتہ چل جائے گا۔ کیا یہاں کوئی بیمار رہا ہے یا کوئی پیر ہے جس کا دیا جلانا پڑتا ہے یا کوئی اور بات ہے؟ دیکھو جھوٹ مت بولنا، آخر تم بھی بال بچے دار ہو،

پنواڑی، دیکھئے سرکار، جھوٹ بولنا اپنا اصول نہیں ہے اور پھر یہ مکان کرنا میرا اپنا ہے۔
جس کی خاطر اپنا ایمان گروی رکھوں۔۔۔۔۔ آپ سے پہلے یہاں شادو رہتی تھی۔

نفیس: شادو رہتی تھی، کون شادو؟ ــــــ؟

پنواڑی: شادو ــــــ شمشاد بائی (عجیب سی ہنسی ہنستا ہے) آپ اسے نہیں جانتے؟
واہ اس شہر میں کون بابو لوگ ہے جو شادو کو نہیں جانتا!

نفیس: (کچھ برہم ہو کر اپنے ہاتھ کوٹ کی جیبوں میں ٹھونس لیتا ہے) میں جھوٹ تھوڑے سے
ہی کہہ رہا ہوں، بڑے میاں! ہمیں تمہاری شادو سے کبھی واسطہ نہیں پڑا۔

پنواڑی: اجی بابو صاحب! شادو کے قصے اخباروں میں چھپ گئے۔ اس کے نام کے
اشتہار بازاروں میں لگ گئے اور آپ کہتے ہیں پتہ ہی نہیں۔۔۔۔ نہیں نہیں،
دراصل آپ مجھے بنا رہے ہیں ــــــ ہیں نا؟ شادو یہاں "جس طرح مجھ کو لگی ہے
میرے بلئد کسو کی،، گایا کرتی تھی اور بڑے بڑے لوگ اس کا مجرا کرواتے تھے وہ
بڑی امیر تھی لیکن تھی بڑی کنجوس ــــــ آخر اُسے سمجھ آگئی کہ بنا چوک میں جاتے
دھندہ نہیں ہوگا۔

عذرا: تو شمشاد بائی کوئی طوائف۔۔۔۔۔

پنواڑی: جی ہاں، طوائف ہی تو تھی۔۔۔۔۔ اُس کے مقدمے کی بابت بھی آپ نے کچھ نہیں پڑھا
وہ دراصل بڑی رنڈی تھی جو "میرے بلئد کسو کی،، گایا کرتی تھی ــــــ شادو کا ٹھ بازار
کے بیچ میں سرکار نے بھی پسند نہ کیا اور اسے نوٹس دیا۔ پولیس بھی آئی لیکن شادو کو
کوئی نہ ہلا سکا پھر وہ اپنی مرضی سے چلی گئی۔۔۔۔۔

نفیس، تم نے پہلے اس بات کا ذکر نہیں کیا۔

پنواڑی: مجھے اس بات کا خیال ہی نہیں آیا اور میرا خیال تھا آپ جانتے ہی ہوں گے دراصل
آپ نے اتنی جلدی کی ــــــ چار بجے شام آپ نے چابیاں لیں اور چھ بجے یہاں آ

دھمکے۔ اب کیا بگڑ گیا ہے، مکان پر آپ کی مُہر تو لگ ہی نہیں گئی۔

عذرا: لیکن اب ہم جائیں کہاں۔ جو مکان ہم نے خالی کیا۔ اس کے بیسیوں گاہک تھے اِدھر ہم نے سامان نکالا اُدھر انہوں نے رکھ لیا۔

نفیس: یہ بات چابیاں دیتے ہی بتا دینی چاہیئے تھی مراتب صاحب

پنواڑی: میں نے سمجھا تھا آپ اس قصے کو جانتے ہی ہوں گے۔

نفیس: (چمک کر) پھر وہی بات۔ کیا ہمیں بھی تم ایرے غیرے سمجھتے ہو۔ جو یہ جانتے ہوئے بھی چلے آئیں ——— جاؤ، کتھا اور چونا لگاؤ اور شادو کے گیت گاؤ۔۔۔۔ معلوم ہوتا ہے تمہیں بھی شریف اور بدمعاش میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔

پنواڑی: دیکھئے ذرا سنبھل کر بات کیجئے۔ کسی کے ماتھے پہ شریف تھوڑا ہی لکھا ہوتا ہے۔ میں نے جانا جیسے دوسری دنیا ہے ویسے ہی آپ ہوں گے۔

عذرا: اب زیادہ باتیں بنانے کی ضرورت نہیں ہے بڑے میاں!

پنواڑی: میں نے کوئی بڑی بات نہیں کی سرکار، دوسرے لوگ کہیں جیب کترے نہیں ہیں۔ آپ کی مرضی آپ رہیں نہیں مرضی تو نہ سہی ——— چابیاں میرے حوالے کر دیں اور نیا مکان تلاش کر لیں۔ میں جاتا ہوں، شام ہی کا تو وقت ہوتا ہے تھوڑے سے پیسے کمانے کا ——— (جاتا ہے)

عذرا: (مایوسی سے) اب کیا کریں؟

نفیس: (سرد آہ بھر کر) چلو، یہ طلسم بھی ٹوٹ گیا مجھے یقین ہو چلا تھا کہ تمام دنیا ایک سی نہیں ہے۔ کم سے کم ایک ایسا آدمی ہے جس نے ہماری شرافت کی قدر کی ہے۔ ۔۔۔۔ (کھڑکی کی طرف جاتا) پان کی پیک سے بھری ہوئی یہ کھڑکی بتا رہی ہے۔ کہ شادو اس پنواڑی کی آمدنی کا ذریعہ تھی اور اس کے چلے جانے کا مراتب کو افسوس ہے۔۔۔۔۔ (سوچتا ہے)۔۔۔۔۔ عذرا ان گھنگروؤں کو وہاں رکھ دو اور آؤ بیٹھ جاؤ۔

عذرا: (اِدھر اُدھر دیکھ کر) خُدا جانے یہاں کیا کچھ ہوتا رہا ہے! (سہم کر نفیس کی بغل میں بیٹھ جاتی ہے)

نفیس: جانے کون جاگیریں اُجڑ تی رہی ہوں گی۔ اور کن کن کے سہاگ کا مذاق اڑایا گیا ہوگا۔

عذرا: بھانت بھانت کے آدمی آتے ہوں گے یہاں . . . . .

نفیس: یونہی تھوڑے ہمارا سنگِ اسود کالا اور کثیف ہوتا جا رہا ہے . . . لیکن دیکھو عذرا، اب جو کچھ ہونا تھا ہو چکا۔ طوائفوں کی بستی جب شہر کے بڑھنے سے باہر چلی جاتی ہے تو ان کی جگہ تمہارے ایسی گرہستنیں ہی تو رہتی ہیں ——

عذرا: (سمٹ کر) یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن مجھے ڈر سا آتا ہے، جیسے میرا دل کسی بات کو مان نہیں رہا۔

نفیس: مجھے تو اس بوڑھے کی بے وقوفی پر ہنسی آتی ہے (ہنس کر) "تم شادو کو نہیں جانتے؟" لیکن عذرا جب تک اپنا دل صاف ہے، ہمیں کسی بات سے نہیں ڈرنا چاہیے۔ دوسرے کے گناہوں کا حساب ہمیں تھوڑا دینا ہے —— میں بستر کھولتا ہوں۔ تم دیا سلائی سے ذرا بتی اوپر کر دو۔

عذرا: یاد آیا۔ تم نے گرم پانی کے لئے کہا تھا۔ شاید ٹوکری میں کوئلے ہوں . . . مجھے یہ سارا گھر جانے بیماری کے کیڑوں سے پٹا وا معلوم ہوتا ہے —— میں کیا کروں، میرا دل یونہی کانپ رہا ہے۔

نفیس: عذرا —— میری جان! اب ایک نیا مکان تلاش کرنا خارج کا باڑا تو ہے نہیں یہاں سب طرح سے صفائی ہو جائے گی —— فینائل، سفیدی، سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اور پھر جس جگہ پر بیٹھ کر اللہ کا نام لیں گے وہ جگہ پاک اور صاف ہو جائے گی، میرا مطلب ہے . . . . .

(دروازے پر دستک سنائی دیتی ہے)

عذرا: یہ کون ہوا بھلا؟

نفیس: خدا جانے کون ہے ــــ اور اسے ہمارے یہاں ہونے کا کیسے پتہ چل گیا؟

عذرا: ذرا دیکھو تو ــــ کہیں تمہارا بھانجا ہی نہ ہو۔ میں نے کہا تھا ادھر ہم نئے ہیں۔ ذرا خبر لیتے رہنا۔ اور ہاں تمہاری بھانجی کی شادی طے ہو گئی ہو گی ــــ نصیرہ کی ــــ دیکھو تو۔

(نفیس جاتا ہے ــــ اور دروازہ کھولتا ہے)

نفیس: آیئے صاحب!

بیّاں: السلام علیکم ــــ

نفیس: وعلیکم السلام ــــ کہئے کیسے تشریف لائے، آپ کا نام ......؟

(عذرا اُٹھ کر اندر چلی جاتی ہے)

بیّاں: میرا نام؟ .... میرا اصلی نام امجد حسین ہے۔ میں یہاں طالب علم ہوں .... یہاں کا مطلب یہ مکان نہیں۔ میری مراد اس شہر سے ہے .... لیکن مجھے سب بیّاں کے نام سے پکارتے ہیں،

نفیس: کہیں آپ اس مکان کے مالک تو نہیں؟

بیّاں: نعوذ باللہ ــــ نہیں! .... لیکن ایک طرح سے مالک ہی سمجھئے .....

نفیس: معاف کیجئے میں آپ کی بات نہیں سمجھ سکا ... اور نہ آپ کا اس وقت تشریف لانے کا مدعا جان سکا ہوں۔

بیّاں: دیکھئے، ایک وقت میں ایک سوال کیجئے تاکہ نہ آپ کو سوال کرتے ہوئے اُلجھن ہو اور نہ مجھے جواب دیتے ہوئے کوفت محسوس ہو۔ یہی تو ظلم ہوتا ہے میرے ساتھ کہ ایک سانس میں لوگ مجھ پر بیسیوں سوال کر جاتے ہیں، ... کالج میں، گھر میں، بازار میں ہر جگہ یہی ظلم ہوتا ہے ...... تو پہلے آپ میرا نام پوچھ رہے تھے۔

(آگے جانے کی کوشش کرتا ہے لیکن نفیس اسے اشارے سے وہیں چارپائی پر بٹھا دیتا ہے)

نفیس: جی ہاں، نام پوچھ رہا تھا ـــــ اگر آپ کو زحمت نہ ہو تو . . . . .

بیّاں: میں نے عرض کیا نا، میرا اصل نام امجد حسین ہے۔

نفیس: نہیں صاحب، اس سے پہلے نام کے بارے میں قطعاً کوئی بات نہیں ہوئی۔

بیّاں: (پرشکوک انداز میں) کوئی بات نہیں ہوئی؟ . . . . . مگر اس کا کیا مطلب ہے۔ آج یہاں نام کیوں پوچھا جا رہا ہے؟ . . . . . خیر، میرا نام امجد حسین ہے لیکن مجھے سب بیّاں کے نام سے پکارتے ہیں۔

نفیس: آپ کی ماں بھی آپ کو بیّاں کے نام سے پکارتی ہو گی۔

بیّاں: جی ہاں (کچھ سمجھتے ہوئے) لیکن . . . . لیکن . . . . . سو آپ سے درویش صورت انسان بھی یہاں . . . . سچ ہے بابا، سب سچ ہے . . . . . .

(اُٹھ کر اندر جانے کی کوشش کرتا ہے)

نفیس: آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے . . . . دیکھئے آپ زبردستی اندر جا رہے ہیں، اور آپ پیتے ہوتے ہیں۔

بیّاں: شش شش خاموش۔ میں بیّاں ہی تو ہوں، جاؤ اندر جا کر شادو کو اطلاع کر دو۔

نفیس: دیکھئے بیّاں صاحب۔ اب آپ کی شادو یہاں نہیں رہی۔ یہ شریف آدمیوں کے رہنے کی جگہ ہے۔

بیّاں: شکل سے تو آپ شریف ہی نظر آتے ہیں واللہ۔ اجی میں ہر روز تھوڑے ای ادھر آتا ہوں۔ جب ڈپٹی صاحب منی آرڈر بھیجتے ہیں اور امتحان کے دن نزدیک آتے ہیں . . . . اوہ ڈپٹی صاحب کے نام سے ڈر گئے؟ ارے بیّاں بھئے کو توال اب ڈرا ہے کا۔ تم یہ بانور استے سے ہٹا دو ـــــ

نفیس: دیکھو، دیکھو میاں صاحبزادے تم کیا کر رہے ہو؟ (پکڑ کر چارپائی پر بٹھا دیتا ہے)

بیّاں: سو تم و ہر کا کے رئیس ہو۔ تم ہی نے شادو کو گھر ڈالنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہے

تم نے اسی گھر کو اپنا گھر بنانا اچھا سمجھا۔ میں سمجھ گیا، سب کچھ سمجھ گیا،

نفیس: دیکھو، زیادہ باتیں مت بناؤ، کہے دیتا ہوں۔ یہاں سے فوراً نکل جاؤ ورنہ میں شور مچاؤں گا۔

سیاں: شور مچاؤ گے اور لوگوں کو اکٹھا کرو گے؟ بس اسی بات سے تمہاری شرافت کا پتہ چلتا ہے۔ کیا تم خود بدنام نہ ہو گے۔ لوگ آٹھ تجھے کہیں گے اور دس تمہیں ستائیں گے۔ لوگوں کو سچ اور جھوٹ کی طرف بٹ جانے کا ملکہ ہے ارے؟ کبھی شریف لوگ بھی شور مچاتے ہیں؟ وہ ہر قسم کی ذلت چپکے سے برداشت کر لیتے ہیں، کیونکہ وہ شریف ہیں۔

(ایک ہچکی آتی ہے۔ نفیس کچھ کہنے کی کوشش کرتا ہے لیکن سیاں اسے روک دیتا ہے)

میرے باپ کی کچہری میں روز عزت کے لئے مقدمے لڑے جاتے ہیں اور عزت چاہنے والوں کی خوب بے عزتی ہوتی ہے۔ ان کی ماں اور بہن کے متعلق وہ کچھ کہا جاتا ہے کہ سن کر کانوں کے پردے پھٹ جاتے ہیں۔ اسی لئے شریف آدمی اپنی بہن تک کی بے حرمتی دیکھ کر عدالت کا دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے ———

نفیس: میاں صاحبزادے، یہ سب درست ہے، اسی لئے میں تمہیں منت سے ٹل جانے کے لئے کہتا ہوں، ورنہ شاید مجھے شور مچانے کی بھی ضرورت نہ پڑے۔

(سیاں کو دھکیلتا ہے)

سیاں: دیکھو ——— مجھے دھکیلو مت۔ باتیں کرتے سے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا (قدرے بلند آواز میں) شادو مجھ سے یہ بدسلوکی دیکھ کر تم چپ بیٹھی ہو؟ (اندر دیکھتے ہوئے) تم اتنی دبلی کیوں ہو گئی ہو شاید میری آنکھوں کا قصور ہے (لرزتی ہوئی آواز میں) مجھے کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ . . کتابیں لکھنے والوں نے ایک ہی چیز کے متعلق متضاد باتیں کہہ کر میرے دماغ کو الجھاؤ میں ڈال دیا ہے۔ . . میری

آنکھوں میں نقص ہے (ڈر جاتا ہے) وہی چیز جسے میں دیکھنا چاہتا ہوں، نظر نہیں آتی ـــــ ارد گرد کی سب چیزیں دکھائی دیتی ہیں، لیکن وہ چیز جس پر میں نگاہ ڈالتا ہوں، درمیان سے غائب ہو جاتی ہے......

کیا اس سے بڑی بیماری بھی ہے کہ تم جو چاہو تمہیں دکھائی نہ دے اور جو نہ چاہو نظر آتا ہے، دیکھو، تم پھر دھکیلنے لگے۔ باتیں سننے میں کیا ہرج ہے بھائی؟.... شاد و! تمہیں وبرکا کے اس رئیس نے گھر ڈال لیا ہے (اندر دیکھتے ہوئے) کیا یہ سچ ہے۔ کہ یہ خبیث تمہیں باہر کی روشنی نہیں دکھاتا اور اسی لئے تم اتنی مریل ہو گئی ہو ـــــ لیکن تمہارا رنگ اور بھی کھل گیا ہے.... نہیں، مجھے کچھ بھی نظر نہیں آرہا ـــــ تمہیں وبرکا کے رئیس نے نہیں تمہیں اس بڑے وبرکا کے رئیس نے مجھ سے چھین لیا ہے ـــــ خدا نے بے رحم خدا نے......

(رونے لگتا ہے)

نفیس: خدا جانے میں تمہاری باتیں کیوں سنتا جا رہا ہوں؟ تم شکل سے شریف خاندان کے لڑکے نظر آتے ہو۔ شاید اس لئے۔ لیکن تم ہو کہ برابر شور مچائے چلے جا رہے ہو لوگ سن کر کیا کہیں گے؟

سیّاں: لوگ؟ لوگ کیا کہیں گے؟.... دیکھو مجھے گھورو مت۔ ہر جگہ مجھے یہی "لوگ" گھورتے نظر آتے ہیں۔ ان "لوگوں" نے ہمیں کہیں کا نہیں رکھا۔ انہوں نے میرے ایک دوست کو پاگل کہہ دیا۔ وہ ذہین تھا، بلا کا ذہین تھا ـــــ اسے "لوگوں" نے بتایا کہ عورت کا ننگا جسم ایک ناپاک شے ہوتی ہے اسے مت دیکھو، اپنی آنکھیں بند کر لو خوبصورت چیز کو دیکھنے کی خواہش کو دوبارہ کچل دو ـــــ انہوں نے کہا، پھول کو کپڑے پہنا دو، یہ آرٹ ہے..... میرے دوست نے پانی میں چند کلیوں کو نہاتے دیکھا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں، ایک درخت کی آڑ میں کھڑے ہو کر اس نے

پھر ان کلیوں کو بس شبنم میں نہانے دیکھا، پھر آنکھیں بند کر لیں، دیکھا، آنکھیں بند کر لیں —— خواہش نے آنکھیں کھولیں "لوگوں" نے بند کیں —— کھولیں، بند کیں، کھولیں، بند کیں —— اور آج اس کی آنکھیں پل میں سو بار کھلتی اور بند ہوتی ہیں —— وہ ان کا کوئی بھی علاج نہیں کر سکا.......

(آنا فانا) شادو بجھے اس شہدے سے بچاؤ —— مجھے یہ تمہارے پاس نہیں آنے دے رہا، پھر تم نہیں گاؤ گی؟ ——

سیاں توری گودی میں گیندا بن جاؤں گی

(نفیس میاں کو اٹھانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن میاں برابر اپنی بات کیے جا رہا ہے)

میاں: امتحان سے ڈر کر آج میں نے بے اندازہ پی (زبان لبوں پہ پھیرتے ہوئے) شراب میرا کلیجہ چیٹ کر رہی ہے۔ میرے ہاتھ پاؤں کانپ رہے ہیں۔ مجھے بھوک لگی ہے .... تم بھول گئیں ——

جو تورے سیاں کو بھوک لگے گی

لڈو پیڑا جلیبی بن جاؤں گی —— سیاں توری گودی میں۔

(نفیس میاں کو دروازے تک دھکیلنے میں کامیاب ہو جاتا ہے لیکن میاں مضبوطی سے دروازہ پکڑ لیتا ہے)

میاں: میں کرسی اور پلنگ کے درمیان دیکھ رہا ہوں —— اور تمہاری پرچھائیاں نظر آتی ہے مجھ سے اندھا اچھا ہے شادو۔ ہائے، یہ سب کچھ نظر بھی آ رہا ہے اور نہیں بھی آ رہا ..... میرے اللہ.....

نفیس: (دروازے سے ایک طرف منہ نکالتے ہوئے) مراتب —— مراتب میاں ——

(دروازے پہ عذرا نمودار ہوتی ہے۔ وہ کچھ دیر کے لئے رک جاتی ہے لیکن پھر

ایک عزم کے ساتھ آگے بڑھتی ہے)

عذرا: صاحب آپ کون ہیں؟ —— آپ باہر کیوں نہیں جاتے۔ یہ شریف آدمیوں کا مکان ہے۔ شادو نے یہاں سے مکان تبدیل کر لیا ہے۔ آپ نکل جائیے۔ فوراً یہاں سے......

بتیاں: (پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے) یہ آواز بھی گھر اور بازار کی آوازوں میں کھو کر رہ گئی۔ یہ شادو کی آواز نہیں اس سے اچھی آواز ہو گی لیکن یہ شادو کی آواز نہیں —— شادو کی آواز ——!

(مراتب آتا ہے)

مراتب: ابے کون ہے تو؟ —— نکل باہر شہدے، کمینے......

نفیس: مراتب! گالی مت دو اسے —— فقط باہر نکال دو ——

عذرا: دیکھو، مارو نہیں، گمراہ طالب علم ہے بے چارہ ——

مراتب: کئی بے چارے گمراہ طالب علم آتے تھے اس کے یہاں —— نکل باہر چھوکرے.....

(کشمکش۔ مراتب اُسے دھکا دے کر باہر گرا دیتا ہے۔ لڑکے کے گرنے کی آواز کے ساتھ ہی دروازہ بند ہوتا ہے)

دُوسرا منظر

اسی مکان کا سونے کا کمرہ۔ رات کا وقت ہے اور نفیس باہر سے آکر کپڑے بدل رہا ہے
عذرا اُس کا کوٹ اس کے موزے وغیرہ لے کر باری باری مناسب جگہ پر رکھ رہی ہے

عذرا: بہت تھکے ہوئے نظر آتے ہو، آج کام بہت تھا کیا؟

نفیس: دفتر میں کوئی کام نہیں ہے البتہ دوسری باتیں تھوڑی ہیں پریشانی کے لئے

عذرا: دوسری باتیں؟ —— کوئی اور مکان دیکھا؟

نفیس: مکان کے لئے بہت کوشش کی لیکن کوئی ہو تو بات بنے۔ یہ غریب ہونا بھی ایک لعنت ہے ورنہ ایسے ہی دو کمرے پینتیس روپے میں ملتے تھے۔

عذرا: پینتیس تو ہم کسی صورت میں نہیں دے سکتے —— کھانا؟

نفیس: تمہارا خیال ہے میں ابھی تک بھوکا ہوں گا۔ دفتر کی ٹک شاپ سے بیرا الم غلم کھا لیا اور چائے پی —— اس دفعہ بل بھی بہت بن جائے گا۔ جب کوئی گھبراہٹ ہوتی ہے تو کھانے پر زور دیتا ہوں۔

عذرا: اور مجھے کھانا پینا سب کچھ بھول جاتا ہے (کچھ یاد کرتے ہوئے) میں نے تو بیس بار کہا ہے کچھ پراٹھے ساتھ لے جایا کرو۔

نفیس: کون مصیبت کرے (چارپائی پر بیٹھتے ہوئے) اور پھر دفتر میں لیموں نچوڑ بابو ہے۔

عذرا: لیموں نچوڑ بابو؟

نفیس: ہاں، اپنا ایک لیموں کسی کی دال میں نچوڑ کر برابر کا حصہ دار بن جاتا ہے ——

(دونوں خفیف سی ہنسی ہنستے ہیں)

عذرا: تو پھر دو باتیں تو نہیں ہو سکتیں کہ بل بھی نہ بنے اور بھوک بھی اُتر جائے

(نفیس اپنا منہ دونوں ہاتھوں میں دے لیتا ہے)

کیوں، چپ چاپ بیٹھ گئے؟

نفیس: اور تو کیا شور مچاؤں؟ دیکھو مجھے یوں تنگ نہ کرو عذرا ——— مجھے آرام سے سو جانے دو۔

عذرا: آئے ہائے ——— راستہ دیکھتے دیکھتے آنکھیں پک جاتی ہیں۔ شادو کے گاہکوں سے ڈرتے ہوئے، سارا دن کواڑ بند کئے اندر پڑی رہتی ہوں اور اب ———

نفیس: (چڑ کر) نہ اندر پڑی رہا کرو۔ میں دیکھنے آتا ہوں کیا۔ خوب رنگ رلیاں منایا کرو مجھ سے یہ ناز برداری نہیں ہونے کی۔

عذرا: (رونکھی ہو کر) تم بھی یوں کہو گے تو میں زندہ نہ رہوں گی۔

نفیس: اور میں کون زندوں میں سے ہوں۔ مُردوں سے بدتر ہوں۔ محلہ والے الگ بدنام کرتے ہیں۔ اُن کا تو خیال ہے کہ ایک شادو گئی اور اس کی جگہ دوسری آ گئی ———

عذرا: محلہ والے جو جی چاہے کہتے پھریں۔ تمہارے سوا میں کسی کے سامنے جواب دہ نہیں ہوں۔ اگر تم بھی ایسی باتیں کرنے لگے تو میرا کون ٹھکانا ہے؟ .... اب جو لوگ آتے ہیں تو اس میں میرا کیا قصور ہے؟ میں خود سے کسی کو بلانے جاتی ہوں۔

نفیس: یہی تمہاری بھول ہے کہ تم صرف میرے آگے جوابدہ ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے، ہم خودکشی میں حق بجانب ہیں۔ ہم اپنے آپ کو نہیں مار سکتے اگرچہ یہ جسم ہمارا اپنا ہے۔ اس کے لئے ہم حکومت کے سامنے جوابدہ ہیں .... اس جسم کے علاوہ ہمارا ایک اخلاقی جسم بھی ہوتا ہے جسے پامال کرنے کے لئے ہم گلی کوچے کے ہر کتے بلے، بچے بوڑھے کے حضور میں جوابدہ ہیں ———

عذرا: لیکن ہم نے کون اخلاقی خودکشی کی ہے؟

نفیس: اوہ تو کچھ بھی نہیں جانتیں۔ تم نے سنا ہے خلق کی آواز خدا کا نقارہ ہوتی ہے۔ بس وہ

نقارہ بج رہا ہے اگر تمہارے کانوں میں اس کی آواز نہیں گونجتی تو تم بہری ہو——
اس میں تمہارے، کانوں کا قصور ہے۔

عذرا: اس کا یہ مطلب ہوا اگر چار آدمی اُٹھ کر تمہیں برا کہنے لگیں تو تم بُرے ہو گئے؟——

نفیس: بُرا نہیں ہوا لیکن بُرائی سے آلودہ ضرور ہو گیا۔ میرا ایمان ہے کہ دس آدمی مل کر تمہیں کہیں تمہارے چہرے پہ ناک نہیں ہے تو تم ضرور سمجھ لو کہ خدا نے تمہارا چہرہ ناک کے بغیر ہی بنایا تھا اگرچہ آئینہ اس کے خلاف ہی گواہی دے——

عذرا: (زہر خند سے) اچھی بات ہے —— اگر اُن آدمیوں نے کسی کو پاگل کر دینے کی سازش کی ہو تو......

نفیس، نہیں نہیں۔ تم اسے مذاق میں ٹالنے کی کوشش نہ کرو۔ جس آدمی کو یہ بات کہنے کے لئے دس آدمی اکٹھے ہوں گے اپنا وقت صرف کر سکیں گے اُس آدمی میں ضرور کوئی نہ کوئی نقص ہو گا۔ کم از کم وہ اس قابل ضرور ہو گا کہ اس کا مذاق اڑایا جائے...... اور جب یہ ہو جائے تو پاگل پنے اور ناک کے نہ ہونے میں صرف عقیدے کا فرق ہے نا —— دیکھو، تم پھر ہنس رہی ہو......

عذرا: اچھا، اگر تمہیں میرا ہنسنا ناگوار گزرتا ہے تو میں نہیں ہنستی لیکن اس میں میرا کیا قصور ہے اور اگر میرا قصور ہے تو تم بھی اس قصور میں برابر کے حصہ دار ہو۔

نفیس: آہ!...... (سرد آہ بھر کر لیٹ جاتا ہے)

عذرا: دیکھو، اب جانے دو

نفیس: نہیں میں ہنس نہیں سکتا جب کہ میرا دل رو رہا ہے۔ محلہ والوں نے ہمارے خلاف ایک سازش کر رکھی ہے۔

عذرا: آج کی سازش ہے وہ۔ دو مہینے ہمیں یہاں آئے ہو گئے... تب سے یہ باتیں ہو رہی ہیں۔

نفیس : تمہارے خیال میں تو صرف باتیں ہو رہی ہیں۔

عذرا : اور نہیں تو کیا ہو رہا ہے؟

نفیس : چہ میگوئیوں کی حد سے گزر کر محلے کے معتبر آدمیوں نے ایک جلسہ کیا ہے جس میں یہ طے
پایا ہے کہ ہمیں یہاں سے چلے جانے کا مشورہ دیا جائے۔

عذرا : (گھبرا کر) سچ؟

نفیس : اور تو کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔

عذرا : نہ جائیں تو وہ کیا کہہ سکیں گے؟

نفیس : کوئی ایک طریقہ ہے تنگ کرنے کا۔ وہ کئی طریقوں سے ہمیں پریشان کر سکتے ہیں۔

عذرا : مثلاً ....

نفیس : مثلاً .... مثلاً ..... وہ حاکمان شہر کو شکایت کر سکتے ہیں کہ اس مکان میں در پردہ
فحاشی ہوتی ہے۔ جو شادو کا کوئی گاہک آئے تو وہ پولیس کی معرفت ہمیں پکڑوا سکتے ہیں۔
وہ ہمارا حقہ پانی بند کر سکتے ہیں۔

عذرا : حقہ پانی کی تو میں پروا نہیں کرتی۔ ہاں ——— دوسری باتیں البتہ ..... لیکن تمہیں
ان باتوں کے لئے لڑنا چاہیئے۔ میں نہیں مان سکتی قانون ایسا ہی موم کی ناک ہے کہ
اُن کی مرضی کے مطابق ......

نفیس : دماغ میرا بھی ان باتوں کو قبول نہیں کرتا۔ لیکن جب ٹھنڈے دل سے غور کرتا ہوں
تو اسی نتیجے پر پہنچتا ہوں۔ کہ اگر دفتر والوں تک بھی یہاں کی باتیں پہنچ گئیں تو میں کہیں
منہ دکھانے کے قابل نہیں رہوں گا ..... کتنے آدمی ہوں گے جو سمجھیں گے۔ کہ
یہ شریف انسان ہے۔ زیادہ تعداد اُن آدمیوں کی ہوگی جو یہی سمجھیں گے کہ اپنی بیوی
سے ......

عذرا : بس چپ رہو .... کسی طرح یہاں سے نکل جاؤ۔ خواہ ہمیں کسی چھپر کھٹ کے نیچے

ہی کیوں نہ رہنا پڑے۔

نفیس: ہاں میں چلا جاؤں گا۔ میں اپنی عزت کے لئے لڑوں گا نہیں۔ شور نہیں مچاؤں گا۔
میں شریف انسان ہوں تم جانتی ہو جب ہم نئے نئے اس مکان میں آئے تھے۔
تو اس روز ایک طالب علم ـــــ کیا نام؟ ـــــ نام یاد نہیں رہا۔ بہر حال ایک
طالب علم شادو سے ملنے آیا تھا اور اس نے کہا تھا کہ شریف آدمی اپنی بیٹی کی
بے حرمتی دیکھ کر بھی عدالت کا دروازہ نہیں کھٹکھٹاتے ـــــ بس اس کے الفاظ
میں آدمی کی جگہ خاوند اور بیٹی کی جگہ بیوی کر لو ـــــ

عذرا: اس شرابی چھوکرے کی باتوں پر جاتے ہو؟

نفیس: یا بیں بڑی کام کی کرتا تھا وہ شرابی چھوکرا

عذرا: اپنی عزت کو بچانے میں دامن پر جو داغ لگ جاتے ہیں وہ مبارک ہیں ـــــ تم
زیادہ پروا نہ کیا کرو۔ آؤ میں نہیں کچھ سناؤں جی بہل جائے گا ذرا۔ ۔ ۔ ۔

نفیس: گویا پڑوسیوں کو اس بات کا ثبوت دیں۔ یہاں بھی دھندہ ہوتا ہے۔

عذرا: آئے ہائے اور تو کیا بالکل گھٹ کے مر جائیں۔

(طنبورا لے آتی ہے اور اسے چھیڑتی ہے)

نفیس: عذرا تم نہیں سوچتیں ہم یہاں پردیسی ہیں ـــــ کل کلاں کوئی بات ہوئی تو ہماری
حمایت میں یہاں ایک آدمی بھی کھڑا نہ ہو گا۔

عذرا: کوئی نہ ہو ـــــ خدا جو ہمارے ساتھ ہے۔

نفیس: خدا بہت دور کی بات ہے۔ ۔ ۔ عذرا ٹھہرو ـــــ یہ آواز کدھر سے آ رہی ہے؟

(کھڑکی سے باہر دو آدمی باتیں کر رہے ہیں۔ ان لوگوں کی شکلیں بھی دھندلی
دھندلی نظر آتی ہیں)

متواری: دیکھ لو، میں نہ کہتا تھا۔ صاف آواز آ رہی ہے۔ اندر کوئی آدمی بھی ہے۔

مرزا شوکت: ہاں اور کوئی سازہ معلوم ہوتا ہے ستار کے موافق۔

بنواری: میں نہ کہتا تھا — ان کا یہاں ہونا ہمارے محلے کی بہو بیٹیوں کے لئے بہت خراب ہے۔ بمشکل سے شادو کو یہاں سے نکالا تھا...... (وقفہ) تو اب کیا ارادہ ہے!

مرزا شوکت: میرے خیال میں اندر چل دو — جو روکا تو محلے کے نام پر شور مچادیں گے اور جو نہ روکا تو ہمارا کام بنا بنایا ہے — عورت اچھی معلوم ہوتی ہے۔ تم نے اس دن اسے لفافہ خریدتے ہوئے دیکھا تھا!

(مل کر ہنستے ہیں)

مرزا شوکت: اب کر و ذرا ہمت......

(نفیس یہ باتیں سن کر کھڑکی کی طرف آتا ہے)

نفیس: خبردار کسی نے کھڑکی پہ آنے کی کوشش کی، یہاں اب نہ شادو رہتی ہے اور نہ ایسی کوئی عورت۔

بنواری: (آہستہ سے) صاحب! ہمیں کوئی شادو سے کوئی خاص وہ نہیں ہے۔

مرزا شوکت: ہم تو دو گھڑی.....

نفیس: میں کہتا ہوں یہاں سے بھاگ جاؤ — اب شادو کی جگہ یہاں گرہستی رہتے ہیں اور ان کے متعلق آپ کا اندازہ سراسر غلط ہے۔

بنواری: چلو یار — چل دو — جانے کیا معیبت ہے۔

مرزا شوکت: یونہی چل دیں؟ اس محلے میں چراغ تلے اندھیرا ہم نہیں دیکھ سکتے۔ بلکہ ہم کل امام صاحب کو بھی ساتھ لے لیں گے۔ پھر دیکھیں گے یہ لوگ کس طرح محلے میں رہ کر بدکاری کرسکتے ہیں

(کچھ سوچ کر)

لیکن یار تم تو یونہی ڈر گئے — جتنا یہ آدمی اچھل اچھل کر آتا ہے مجھے اتنا ہی

دال میں کالا کالا معلوم ہوتا ہے۔ یہ ان لوگوں کا ڈھنگ ہوتا ہے اور میری بات سنو
(کانوں میں کچھ کہتا ہے جو نفیس اور عذرا کو سنائی نہیں دیتا)

نفیس: بے ہودہ لوگ ہیں —— کب تک ان کی باتیں سُنے جائے آدمی؟

عذرا: میں کہتی ہوں سن کر بھی کچھ نہیں سُننا چاہیئے کسی کا منہ تھوڑے باندھا جاتا ہے چپکے سے سو جاؤ۔

نفیس: ہاں سو جاؤ

(آہستہ آہستہ دروازہ کھٹکھٹایا جاتا ہے)

لیکن یہ ہولے ہولے زنجیر ہلا رہا ہے کوئی۔

عذرا: وہی لوگ ہوں گے —— اور ہوا کریں

نفیس: ہاں، سو جاؤ

عذرا: لیکن —— مجھے نیند نہیں آتی

نفیس: تمہیں فکر کس بات کی ہے؟ گہنا پاتہ تمہارے پاس نہیں ہے۔ کواڑ بند ہی ہیں۔ کھپ کھپا کر چلے جائیں گے۔

عذرا: خود تو مریں کھپیں، ہمیں ناحق پریشان کرتے ہیں —— جب تک چلے نہ جائیں مجھے تو نیند نہیں آنے کی۔

نفیس: جو تمہارا مطلب ہے کہ فساد بپا کیا جائے تو میں اس کے حق میں نہیں ہوں —— البتہ اصرار کرو گی تو سر پھٹول کے لئے تیار ہوں۔

(اُٹھنا چاہتا ہے)

عذرا: نہیں نہیں —— پڑے رہیئے چپکے سے۔ میں تو یونہی کہہ رہی تھی کہ مجھے نیند نہیں آ رہی۔ آپ تو سارا دن دفتر میں کام کرتے کرتے تھک جاتے ہیں۔ آپ سو جائیں۔

(کچھ دیر بعد ڈر کر)

.میں کہتی ہوں جی ـــــ کوڑا ہل رہے ہیں۔ جیسے کھُل گئے ہیں!

نفیس: ہیں ـــــ سنو! قدموں کی آوازیں آرہی ہیں گویا کوئی ڈیوڑھی میں کھڑا ہے یا.....
اندر چلا آرہا ہے (بلند آواز میں) ـــــ کون ہے؟

مرزا شوکت: ہم ہی ہیں صاحب ـــــ آپ کے محلے دار، بنواری لعل اور مرزا شوکت...

نفیس: آپ کیسے اندر چلے آئے ـــــ؟ آپ کو یہاں آنے کی کس نے اجازت دی؟....

بنواری: (گھبرا کر) ہم کیسے اندر چلے آئے؟ ـــــ ہم یونہی چلے آئے اندر
(کھسیانی سے ہنسی ہنستا ہے)

مرزا شوکت: ہم آپ کے پڑوسی ہیں ہمیں امام صاحب نے بھیجا ہے۔

نفیس: لیکن یہ کون سا وقت ہے یہاں آنے کا ـــــ؟ اور میرے خیال میں دروازہ بند تھا۔
جس کا مطلب ہے۔ آپ دروازہ توڑ کر داخل ہوئے ہیں۔
(عذرا سہمی ہوئی نظر آتی ہے)

بنواری: ہم نے دروازہ توڑا نہیں ـــــ بس دھکیلا ہی تھا کہ وہ باہر آگیا۔ بات یہ ہے،
پرانے کواڑ.....

نفیس: آپ محلے دار ہوتے تو ہرگز ایسا نہ کرتے آپ یقیناً چور ہیں ـــــ اور مداخلت بیجا کر رہے
ہیں ـــــ آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ اس وقت کسی شریف آدمی کے مکان پر اجازت
کے بغیر چلے آئیں۔ میں نے کھڑکی سے آپ کی گفتگو سن لی تھی...... میں ایک سرکاری
ملازم ہوں اور اپنی بیوی کے ساتھ یہاں رہ رہا ہوں۔ میری بیوی ایک گرہستن ہے کوئی
بھگائی ہوئی عورت نہیں، داشتہ نہیں (قریب پڑی ہوئی ایک لاٹھی اٹھا لیتا ہے)
یہاں سے فوراً چلے جائیے ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔

بنواری: (ڈرتے ہوئے) دیکھیے صاحب ہم یوں چلے جائیں گے لیکن آپ کی دھمکی سے ڈرنے
والے نہیں ہیں۔

مرزا شوکت: بابو صاحب — ہم سب معاملہ سمجھتے ہیں (ذرا درشت لہجہ میں) آپ نے
بہو بیٹیوں والے محلے میں یہ اڈہ بنا رکھا ہے۔ محلے والے سب آپ کو جانتے ہیں۔
آپ ایسا ہر آدمی یوں اپنے آپ کو گرہستی ہی کہتا ہے۔

عذرا: (گھبرائے ہوئے) اللہ مارو! اللہ کے قہر سے ڈرو! ہم گرہستی لوگ ہیں، ہمیں یوں تو بدنام
نہ کرو... تم لوگوں کی بھی کوئی ماں ہوگی، بہن ہوگی۔ اندازہ کرو اگر کوئی.....

مرزا شوکت: اجی، ہم خوب سمجھتے ہیں یہ باتیں —

بنواری: ہم یہاں تھوڑی دیر بیٹھنے کے لئے آئے تھے اور ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہ تھی۔

نفیس: میں کہتا ہوں — یہاں سے نکل جاؤ۔ ورنہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔

عذرا: (نفیس کو روکتے ہوئے) خدا کے لئے — پروردگار کے لئے....

بنواری اور مرزا شوکت: پہلے یہ لاٹھی رکھ دیجئے — پھر ہم سے بات کیجئے۔

(ڈیوڑھی کی طرف سے پولیس انسپکٹر مائیکل اور ایک کانسٹیبل داخل ہوتے ہیں)

سب انسپکٹر مائیکل: ٹھہر جاؤ — رک جاؤ — تم سب لوگ حراست میں ہو۔

نفیس: (لاٹھی چھوڑ کر) مدد — مدد، میں کہیں کا نہ رہا انسپکٹر صاحب (تقریباً روتے ہوئے)
میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ مجھے اور میری بیوی کو حراست میں لے لیجئے —
ہم دونوں آپ کی حراست میں اس آزادی سے اچھے رہیں گے۔

عذرا: میں آپ کے پاؤں پڑتی ہوں انسپکٹر صاحب (جھکتی ہے)، ہمیں اس مصیبت سے
بچا لیجئے — ہم بے گناہ لوگ ہیں —

سب انسپکٹر مائیکل: (دیکھئے — آپ خاموش رہئے، میرے پاؤں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

کانسٹیبل: یہ سب عیاری ہے، انسپکٹر صاحب — ان سے پوچھئے کہ یہ آدمی کون ہیں؟

سب انسپکٹر مائیکل: پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ وہ تو صاف ظاہر ہے۔ آج تک میں نے کسی مجرم کو...

نفیس: (جذباتی انداز میں) کون مجرم—؟ انسپکٹر صاحب، میں مجرم ہوں اور میری بیوی....

سب انسپکٹر مائیکل : نفیس صاحب آپ ہی ہیں ؟
مرزا شوکت : جی ہاں، یہ انہی کی نفاست ہے
سب انسپکٹر مائیکل : آپ چُپ رہیئے۔
نفیس : نفیس میرا ہی نام ہے ــــ لیکن میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کی رُو سے میں
مجرم گردانا جاؤں یوں جیسا کہ میں نے عرض کیا، آپ کی قید میں آنے کے لئے تیار ہوں۔
بنواری : جھگڑے کی نوبت ہی ہے، جب کہ بہو بیٹیوں کے اس محلے میں .....
سب انسپکٹر مائیکل : بکومت ! ان باتوں کو میں تم لوگوں سے زیادہ سمجھتا ہوں ــــ
یہ درست ہے کہ ان لوگوں نے اس مکان کو فحاشی کا اڈہ بنا رکھا ہے۔ لیکن آپ
اس وقت یہاں کیسے تشریف لائے ؟ کیا آپ دن کے وقت ان لوگوں کو اخلاق کا
سبق نہیں پڑھا سکتے تھے ؟
نفیس : فحاشی کا اڈہ ــــ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ؟
مرزا شوکت : دن کے وقت ؟ ــــ یہ آپ کیا فرما رہے ہیں ؟ ہم لوگ دن بھر اپنے کام دھندے
میں مشغول رہتے ہیں۔
کانسٹیبل : دن کے وقت محلے دار انہیں کس طرح پکڑ سکتے ہیں ؟
سب انسپکٹر مائیکل : اگر اس کمرے میں محلے داروں کے علاوہ کوئی اور شخص ہوتا جس کی بابت
ان لوگوں کو تفصیلات نہ پتہ ہوتیں تو یہ لوگ مجرم تھے لیکن اب یہ محلے دار بغیر کسی یقین
ثبوت کے اندر چلے آئے ہیں اور مداخلت بے جا کے مرتکب ہوتے ہیں ــــ
نفیس : جناب والا ــــ میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔
عذرا : ہائے میرے اللہ ! .....
سب انسپکٹر مائیکل : (نفیس اور عذرا سے) میں آپ سے بات کرتا ہوں ــــ (بنواری لعل سے)
آپ کا نام کیا ہے ؟

بنواری لعل: (اِدھر اُدھر دیکھ کر) میرا نام — لیکن میں تو......

سب انسپکٹر مائیکل: میں آپ کو نگلے نہیں جا رہا — میں صرف نام پوچھ رہا ہوں، اتنا گھبرائیے نہیں۔

بنواری لعل: میرا نام ب... بنواری لعل ہے!

سب انسپکٹر مائیکل: (مرزا شوکت سے) آپ کا اسم گرامی؟

مرزا شوکت: لیکن انسپکٹر صاحب، ہمارا گناہ کیا ہے؟ طوائف کے دروازے تو خلق خدا کے لئے کھلے ہوتے ہیں۔ جو ہم اندر چلے آتے تو کیا جرم کیا —؟

سب انسپکٹر مائیکل: خوب! — یہ خلقِ خدا کے الفاظ کا بھی خوب استعمال ہوا۔ لیکن صاحب آپ تو محلے دار کی حیثیت سے تشریف لائے تھے تاکہ یہ اڈہ اُٹھوا کر محلے کے لوگوں کی بہو بیٹیوں کی آبرو بچائی جائے —

مرزا شوکت: (گھبرا کر) نہیں میرا مطلب ہے.....

سب مائیکل: آپ اپنا نام بتائیے؟

بنواری لعل: (ڈرتے ہوئے) آپ کا نام مرزا شوکت ہے!

(مرزا شوکت غصے سے بنواری لعل کی طرف دیکھتے ہیں)

مرزا شوکت: لکھ لیجیے — میں کوئی ڈرتا تھوڑے ہوں۔ ہمیں اہلِ صاحب نے بھیجا ہے۔ تاکہ اس بات کی تحقیق کی جائے۔

سب انسپکٹر مائیکل: چلیے۔ اس بات کی تصدیق بھی ہو جاتی ہے (کانسٹیبل سے) سردار حسین! انہیں باہر لے جاؤ تاکہ دوسرے محلے داروں کے ساتھ ان کی بھی گواہیاں پیش کی جائیں۔

مرزا شوکت: لیکن ایک بات کا خیال رکھ لیجیے گا۔ ہم باعزت شہری ہیں اور

سب انسپکٹر مائیکل: جی ہاں، میں جانتا ہوں آپ تشریف لے جائیے۔

(کانسٹیبل بنواری اور مرزا شوکت کو باہر لے جاتا ہے)

(نفیس سے)

نفیس صاحب! آپ کے آبائی گھر اور دفتر کا پتہ میرے پاس ہے۔ آپ پہلے جس بیوری ڈکسن میں رہتے تھے وہاں تفتیش کی جا چکی ہے۔ اس جگہ آپ کب سے رہ رہے ہیں؟

نفیس: عرصہ دو ماہ سے۔

سب انسپکٹر مائیکل: نہیں، آپ کو غالباً یہاں آئے دو ماہ اور چودہ دن ہوتے ہیں۔

عذرا: جی ہاں، بس اتنے ہی دن ہوتے ہیں،

سب انسپکٹر مائیکل: (نفیس سے) جب آپ یہاں آئے تو آپ کو پتہ نہیں تھا کہ اس مکان میں شمشاد بائی طوائف رہتی تھی؟

نفیس: نہیں صاحب! میں بنا جانے بوجھے اسباب اٹھوا کر ادھر چلا آیا۔ تب سے ہر روز یہی قصہ ہوتا ہے۔ کوئی نہ کوئی ہمارا دروازہ کھٹکھٹاتا ہی رہتا ہے اور محلے والوں کو ہم پر شک کرنے کا موقع دیتا ہے —— اور یہ چپقلش جاری ہے!

سب انسپکٹر مائیکل: چپقلش سے آپ کا کیا مطلب؟

نفیس: یہی —— نیا مکان تلاش کرنے اور نہ ملنے کی اور بنواری اور مرزا ایسے لوگوں کے ساتھ جھگڑنے کی۔ آج تک میں یہی سمجھتا آیا تھا کہ ہمیں اپنے ہی گناہوں کا حساب دینا ہوتا ہے لیکن نقل مکانی کے اس تجربے نے ثابت کر دیا ہے۔ کہ انسان اپنے بچوں، اپنے ماں باپ، بھائی بہن، بیوی کے کردار کا ہی ذمے دار نہیں ہوتا بلکہ اپنے پڑوسیوں کے قول اور فعل کے لئے بھی گردن زدنی ہے۔

عذرا: تمام دن ہمارا دروازہ بند رہتا ہے —— ہم ڈر کے مارے کواڑ کھولتے ہی نہیں۔ آپ کواڑ دیکھ کر پتہ کر لیجئے کہ یہ لوگ دروازہ اکھاڑ کر اندر آئے ہیں یا نہیں —— ہم اور

کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ــــ جتنا ہم زیادہ بولتے ہیں۔ اتنے ہی گنہگار معلوم ہوتے ہیں ــــ اگر آپ بھی ہمیں قصور وار سمجھتے ہیں تو جو سلوک آپ چاہیں، کریں ــــ

سب انسپکٹر مائیکل: آج کا واقعہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ــــ میں سب معاملے کی جانچ پڑتال کر چکا ہوں آپ بے حد شریف ہیں اور یہی آپ کا جرم ہے ــــ (نفیس سے) آپ کل تھانے میں تشریف لائیے نفیس صاحب اور نیک چلنی کی ضمانت داخل کیجیے ــــ

نفیس: نیک چلنی کی ضمانت؟

عذرا: نیک چلنی کی ضمانت!.... (رو کر) میرے اللہ!

نفیس: انسپکٹر صاحب.... مجھے بدچلن ہی سمجھ لیجیے۔ لیکن میں نیک چلنی کی ضمانت داخل نہیں کر سکوں گا۔ اس سے پہلے رشتہ داروں میں یہ بات نہیں پھیلی پھر اُن میں بھی پھیل جائے گی۔ آپ مجھے گرفتار کیوں نہیں کر لیتے؟ میں حاضر ہوں (دونوں ہاتھ بڑھا دیتا ہے) میرے پاس کوئی ضامن نہیں۔ اس محلہ میں میرا کوئی واقف نہیں کوئی ہمدرد نہیں۔ (عذرا بدستور رو رہی ہے)

سب انسپکٹر مائیکل: آپ سمجھتے نہیں ہیں ــــ صرف ایک کاغذی کارروائی مکمل کرنی ہے اگر کوئی ضامن نہ ملا تو میں آپ کو مہیا کر دوں گا۔ آپ محلے والوں سے ڈریں نہیں..... میں آپ کی پوزیشن کو خوب سمجھتا ہوں۔ مجھے آج سے اپنا ہی سمجھئے۔

نفیس: یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں انسپکٹر صاحب؟ ــــ ہم آپ کے قابل نہیں ہیں.... آپ نہیں جانتے ہم آپ کے کتنے ممنون ہیں.....

سب انسپکٹر مائیکل: آپ خوف نہ کھائیے۔ میں ہر طرح سے آپ کی مدد کرنے کو تیار ہوں .... (عذرا سے) میری بیوی بھی آپ کی طرح گانے بجانے کا شوق رکھتی ہے۔

(نفیس سے) کیا آپ دونوں پیر کے روز میرے ساتھ چائے پی سکتے ہیں؟

عذرا: ہم آپ کے بہت شکر گزار ہیں ــــ آپ ان محلے والوں سے ہماری خلاصی کروا دیجئے۔ آپ کو بہت بڑا ثواب ہوگا...... مجھے خود آپ کی بیگم صاحبہ سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوگیا ہے! آپ جب چاہیں گے ہم آپ کے گھر پہنچ جائیں گے۔

سب انسپکٹر ٹمائیکل: (قدرے گھبرا کر) چائے گھر پہ ممکن نہیں ہو سکے گی...... دیکھئے نا ذرا میری بیوی بیمار رہتی ہیں، چائے باہر پی سکیں گے کہیں...... پھر سیر تماشا ہو جائے گا، بہر حال ــــ میں عرض کروں گا۔ کل آپ تھانے تشریف لا رہے ہیں نا؟ ــــ میں چلتا ہوں ــــ خدا حافظ!

(جاتا ہے)

نفیس: جی ہاں، میں کل صبح حاضر ہو جاؤں گا...... خدا حافظ!

(وقفہ)

نیک چلنی کی ضمانت! ــــ چائے کی دعوت!...... کہیں اس سے بڑا گڑھا تو نہیں کھودا جا رہا؟

عذرا: میں کیا جانوں؟ ــــ ہائے، میرے اللہ!

(پردہ)

تیسرا منظر

وہی کمرہ جو پہلے منظر میں نظر آتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ اب سب چیزیں قرینے سے رکھی ہیں۔ کونے میں طنبورا پڑا ہے۔ تپائی پر ایک نفیس پاندان رکھا ہے جس کے قریب گھنگرو پڑے ہیں۔ عذرا اس وقت کچھ کپڑے صندوق میں ڈال رہی ہے۔ کپڑے ڈالنے کے بعد وہ صندوق کو چارپائی کے نیچے دھکیل دیتی ہے تاکہ جگہ کچھ اور کشادہ ہو جائے۔ نفیس ایک کھڑکی کے پاس بیٹھا ہے۔ کبھی کبھی بازار میں جھانک لیتا ہے گویا کسی کے آنے کا منتظر ہے۔

عذرا: اب بالکل سر پہ آگئی تمہاری بھانجی کی شادی ——

نفیس: ارے ہاں! . . . میں تو بالکل غافل تھا —— کب بیاہی جا رہی ہے نصیرہ؟

عذرا: ہفتہ ہفتہ آٹھ، آٹھ اور آٹھ سولہ اور تین دن اوپر —— آج سے بیسویں روز شادی ہے بلاوے پہ بلاوا آرہا ہے اور تمہیں کوئی خبر ہی نہیں ہے۔

نفیس: تم نے یہ جتا کر پھر مجھے فکر میں مبتلا کر دیا۔

عذرا: تین سے کم جوڑے دو گے تو عزت نہیں رہے گی اور ایک سوٹ دولہا کے لئے کہیں گے دس برس سے ماموں کما رہا ہے اور اتنا بھی نہ ہوا جو بھانجی کو جوشن ہی پہنوا دیتا

نفیس: دو جوڑے، ایک سوٹ اور پھر ایک جوشن —— یہ کیا بات کر رہی ہو تم؟ ہم مسلمانوں میں . . . . . .

عذرا: میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ ہم ٹھیک مسلمان ہیں لیکن راجپوت ہونے کی وجہ سے ہماری تمام رسمیں تو ہندوانہ ہیں نا۔

نفیس: میں کوشش کر رہا ہوں عذرا، لیکن دیکھنے والے اندھے ہیں کیا؟ تمہارے اپنے پہننے کو کپڑا نہیں ہے اوپر سے سردیاں منہ پھاڑے آرہی ہیں۔ مجھ سے تو جو ہوگا بنوا دوں گا۔

عذرا: یہ تو ٹھیک ہے لیکن اس سے کم میں عزت نہ رہے گی، کہہ دیتی ہوں، آپا کہے گی ــــ
بھابھی کا بیاہ کب روز روز ہوگا۔ اس سلسلے میں تو ہمیں تھوڑے بہت اُدھار سے بھی نہیں
ڈرنا چاہیئے ...... بہت نہیں تو گزارے موافق ہی سہی (وقفہ)

نفیس: دیکھو، میں کچھ انتظام کرتا ہوں ...... دراصل میں تمہارے متعلق ایک عرصہ سے
سوچ رہا تھا۔

عذرا: میرے متعلق مت سوچو ــــ میرا تو گزارہ ہو ہی رہا ہے۔ میں کہتی ہوں تم بھی بھلا دفتر
کے دوسرے لوگوں کی طرح کیوں نہیں ہو جاتے؟ ...... اس تنخواہ میں گزارہ
تو ہونے سے رہا۔ کبھی کبھار پیسے لے لینے سے کیا ہو جاتا ہے ــــ یہ غریبی بھی
تو سو گناہوں کا گناہ ہے۔

نفیس: رشوت کے نام پر جیسے اسرافیل کا صور سنائی دینے لگے وہ کیا کرے؟ مرکر ہمیں
خدا کو جواب دینا ہے۔

عذرا: تمہارا کیا خیال ہے باقی خدا تمہاری طرح ہی ہے؟ وہ لوگ آخر کیا جواب دیں گے؟
جو جواب وہ دیں گے وہ تم بھی دے لینا ــــ پھر تم اسے عادت نہ بناؤ۔ ہوا ایک آدھ
بار کسی سے کچھ لے لیا جب کام نکل گیا تو پھر منہ نہ لگایا کسی کو ــــ

نفیس: ہاں عذرا! میں تم سے پہلے اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا بلکہ میں نے ٹھیکیدار عرفانی کو گانٹھ
بھی لیا تھا ــــ اس نے یہاں چھ بجے آنے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن اس وقت ساڑھے
چھ بجے ہیں اور اس کی شکل تک نظر نہیں آتی۔

عذرا: (قدرے آسائش کے احساس سے) کتنے پیسوں کی امید ہے؟

نفیس: یہی سات آٹھ سو کی ــــ ارے، ایک پُلی کا ٹھیکہ تو ہے۔ کہیں بڑے صاحب سے
براہ راست نہ لے لے۔ میں نے پہلے تمہیں نہیں بتایا کہیں تم مجھے بُرا بھلا نہ کہو۔
بلکہ مجھے یہ فکر دامنگیر تھی کہ تمام بات کھل جانے پر میں تمہیں کیا منہ دکھاؤں گا ــــ

کچھ تمہیں حیران کر دینے کا ارادہ بھی تھا۔۔۔۔۔ اب تم خود ہی اس کی تائید کر رہی ہو۔

عذرا: (کھڑکی کی طرف جاتے ہوئے) کس قسم کا آدمی ہے ؟ ــــ ٹھہرو میں دیکھتی ہوں ــ

نفیس: یہی دُبلا پتلا سا آدمی ہے ــــــ لوکی سے سر پر ایک ڈھیلی ڈھالی ڈگمگاتی ہوئی ہیٹ پہنتا ہے اُس کی پہچان یہ ہے کہ پاجامہ کے ساتھ ہیٹ ۔۔۔۔۔

عذرا: (کھڑکی میں سے جھانکتے ہوئے) ابھی تک تو دُور گلی کے اس سرے پر بھی کوئی نظر نہیں آرہا ــــــ

نفیس: (سوچتے ہوئے) عذرا! تمہاری اس تائید کے بدلے ایک قسم کی تسکین تو ضرور ہو گئی ہے لیکن مجھے ایک طرح کا رنج بھی ہوا ہے!

عذرا: (ہنستے ہوئے) نفیس! تم ساری زندگی اس قدر شریف رہے ہو۔ مجھے بتاؤ، تمہیں اس سے کیا حاصل ہوا؟ یہاں محلے میں جو ہماری بدنامی ہوئی ہے اور اب تک رسوائی ہوتی ہے اس کے لئے ہماری شرافت ہی تو ذمہ دار ہے۔۔۔۔۔ ابھی کل ہی امام باڑے کی ایک عورت سے میری لڑائی ہوئی۔ اس نے جو کچھ کہا ــــــ الہٰی پناہ! اللہ دے اور بندہ لے۔ لیکن اب تو یہ باتیں دل پر اثر ہی نہیں کرتیں ۔۔۔۔۔ (پان لگاتے ہوئے) یہاں آکر ہمیں بھی پان کھانے کی عادت ہو گئی ہے۔

نفیس: (پان لیتے ہوئے) تم نے تو مجھے بتایا ہی نہیں عذرا!

عذرا: کیا نہیں بتایا؟

نفیس: یہی لڑائی کے متعلق

عذرا: تم دفتر سے تھکے ماندے آتے ہو ــــ میں نہیں چاہتی ہوں تمہیں اس قسم کی باتیں سنا کر پریشان کیا کروں۔ اور وہ عورت خود محلے بھر میں مشہور ہے پہلے پہل لوگوں نے اس کے متعلق داد ویلا کیا لیکن جب اس نے سب کی ماں بہن کو دھر لیا تو

سب چپ ہو گئے ــــ اب کوئی اس سے الف سے ب تک نہیں کہتا . . . .

نفیس : یہ ہم ہی ہیں جنھوں نے سب کچھ شرافت سے سن لیا ہے ــــ اور اس لئے انہیں ہمارے منہ آنے کا موقع بھی مل گیا۔

عذرا : (کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے) ٹھہرو، گلی میں کوئی آ رہا ہے ــــ ٹھیکیدار عرفانی . . . .

نفیس : میں دیکھتا ہوں (کھڑکی کی طرف جاتا ہے)

اوں ہوں ــ یہ تو کوئی کبوتر باز ہے۔ دونوں ہاتھوں میں کبوتر تھامے اور گلے شاہی جوتا پہنے جا رہا ہے حمیدو کا پٹھا ہے ــ حمیدو پہلوان کا . . . . (وقفہ) اب تو کافی دیر ہو گئی عرفانی نے کہا تھا جو میں چھ بجے تک پہنچ گیا تو بہتر ورنہ نہیں آؤں گا (مایوسی سے) شاید بڑے صاحب کو مل لیا ہو۔

عذرا : (مایوسی سے) ہاں شاید بڑے صاحب کو مل لیا ہو۔ پیسہ ہماری قسمت میں نہیں۔

نفیس : تو اب کیا ہوگا ــــ ؟ نصیرہ کی شادی پہ . . . . .

عذرا : (منہ ملبا کرتے ہوئے) تو گویا اب وہ نہیں آئے گا؟

نفیس : معلوم تو یہی ہوتا ہے ــــ اچھا اگر وہ کل دفتر میں مجھ سے ملنے آیا تو میں ٹھیکے سے انکار کر دوں گا۔ صاف کہہ دوں گا میں نے ٹھیکہ وکرم سنگھ کو دے دیا ہے۔

عذرا : یہ وکرم سنگھ کون ہے

نفیس : وہ دوسرا ٹھیکیدار ہے۔

عذرا : وہ کچھ نہیں دے گا؟

نفیس : اگر عرفانی نے کچھ نہ دیا تو پھر میں وکرم سنگھ سے کچھ نہیں لوں گا۔ میں ہر ایک آدمی کو نہیں گانٹھ سکتا۔ اس سے میری نوکری خطرے میں پڑھ جاتی ہے اور خود بھی ہیں۔

عذرا : ہاں یہ بات درست ہے۔

نفیس : اچھا تو وہ کون تھی۔ امام باڑے والی عورت؟

عذرا: اجی وہی قاضی صاحب کی دوسری بیوی تھی۔ گز بھر کی لمبی زبان والی۔ خود گھر گھر جھانکتی پھرے اور میرے منہ آئے ـــــ میں کیا پروا کرتی ہوں؟

نفیس: تم نے کچھ سنا دی ہوتیں

عذرا: اور تو میں کیا کم کرتی ہوں ـــــ اب نہیں میں ڈرتی کسی سے!

(دروازے پر دستک سنائی دیتی ہے)

لو، تمہارے عرفانی آگئے ـــــ ٹھہرو، میں کھڑکی میں سے دیکھتی ہوں۔

نفیس: نہیں نہیں، میں جاتا ہوں (جاتا ہوں)

عذرا: یہ تمہارا عرفانی نہیں ہے ـــــ یہ تو کوئی اور ہی ہے موٹا سا آدمی ـــــ سیاہ چشمہ لگائے ہوئے۔

نفیس: (دروازے میں رک کر) ہیں! ـــــ ٹھہرو، میں خود دیکھتا ہوں (جاتا ہے)

عذرا: جلتے یہ کون بلا آگئی پھر...... ہاں، شاید عرفانی نے اپنا کارندہ بھیجا ہو لیکن شکل سے تو کارندہ نہیں دکھائی دیتا ـــــ اوہ! یہ چادر کس قدر میلی ہے!

(اُٹھ کر کمرے کو درست کرنے لگتی ہے۔ جلدی جلدی ایک صاف چادر بچھا دیتی ہے۔ کچھ دیر بعد نفیس گھبرایا سا داخل ہوتا ہے)

نفیس: ارے بھئی یہ کوئی اور ہی صاحب ہیں۔ سیٹھ شیو برت نام ہے۔

عذرا: عرفانی کے کارندے نہیں؟

نفیس: نہیں ـــــ کہتے ہیں کہیں برس ایک کے بعد آتا ہوں۔

عذرا: اس شہر میں؟

نفیس: ہاں ـــــ اور شادو کے یہاں

عذرا: تو آپ نے انہیں بتا دیا ہوتا......

نفیس: (وقفہ ـــــ کچھ مجرمانہ انداز میں) میں کہتا ہوں......

عذرا: کہو ——

نفیس: اِدھر ہے آدمی —— دوسرے کمرے میں بٹھا رکھا ہے انہیں

عذرا: اِدھر کس لئے؟ —— خدا کے لئے یہاں سے مکان تبدیل کر دو ..... پہلے اسے نکال دو۔

نفیس: اتنا اہم آدمی ہے میں اسے یونہی کیسے نکال دوں... (ڈرتے ہوئے) سیٹھ ہے کوئی چور تو نہیں ہے۔ اسے کچھ دیر عزت اور تکریم سے بٹھاتے ہیں اس کے بعد چلا جائے گا۔

عذرا: تو بٹھا دو یہاں —— میں دوسرے کمرے میں چلی جاتی ہوں —— اول تو تمہیں معلوم ہی ہے محلے میں۔

نفیس: تم ہی نے کہا تھا کبھی کبھار رشوت لینے سے کیا ہو جاتا ہے —— ؟ یہ غریبی بھی تو سو گنا ہوں کا گناہ ہے!

عذرا: اچھا، تو یہ بھی ٹھیکیدار قسم کا آدمی ہے اور اس سے بھی رشوت ممکن ہے؟

نفیس: نہیں ایسی رشوت نہیں

عذرا: (گھبرا کر) تو پھر کیا ہے؟

نفیس: تم ہی نے تو کہا تھا، تم ساری زندگی اس قدر شریف رہے ہو، مجھے بتاؤ —— تمہیں اس سے کیا حاصل ہوا؟ محلے میں جو ہماری بدنامی ہوئی اس کے لئے ہماری شرافت ہی تو ذمہ دار ہے!

عذرا: تو پھر تمہارا مطلب کیا ہے؟

نفیس: (ڈرتے ہوئے) میں کہتا ہوں —— ایک گانا سنا دو۔ سیٹھ صرف گانے کا شوقین ہے سو ایک روپیہ ہو جائے گا۔ گانا سنانے میں کیا حرج ہے؟

عذرا: یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے —— لوگ کیا کہیں گے؟

نفیس: لوگ پہلے کیا کچھ نہیں کہتے؟ —— اور پھر ابھی تم کہہ رہی تھیں میں کسی سے نہیں ڈرتی —— آہستہ سے کچھ سنا دینا

عذرا: نہیں، میں کہتی ہوں تم بھی

نفیس: ارے صرف گانا ہی تو ہے ـــــ دیکھنا پتہ نہ چلے، ذرا اچھی طرح پیش آنا (آواز دیتے ہوئے) سیٹھ جی! (سیٹھ تیلوبرت اندر چلے جاتے ہیں)

تیلوبرت: آداب عرض کرتا ہوں!

عذرا: (سخت گھبراہٹ میں) آداب عرض ـــــ آپ (کچھ سوچ کر تپائی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) ادھر بیٹھ جائیے۔

نفیس: (پلنگ کی طرف ہاتھ کرتے ہوئے) تشریف رکھئے۔

تیلوبرت: (بیٹھتے ہوئے) کہئے مزاج اچھے ہیں؟..... (بغیر جواب کا انتظار کئے) سال میں ایک بار میں شمشاد کے یہاں آتا ہوں ـــــ اب کے پتہ چلا اس کی جگہ آپ تشریف رکھتی ہیں ـــــ اور آپ ـــــ آپ کے سازندے کہاں ہیں؟

نفیس: (مجرمانہ گھبراہٹ کے ساتھ) دراصل ان کی طبیعت اچھی نہ تھی اس لئے سازندوں کو رخصت کر دیا۔

(طنبورا اٹھا کر عذرا کے ہاتھوں میں تھما دیتا ہے..... عذرا کانپتے ہوئے ہاتھوں سے طنبورا لے لیتی ہے)

لیکن اب جب کہ آپ تشریف لے آئے.....

عذرا: (گھبرا کر) میں نہیں گا سکوں گی۔

نفیس: ـــــ ذرا وہ سنا دو ـــــ جلد آجا کہ جی ترستا ہے!

(عذرا بڑی کوشش سے طنبورا چھیڑتی ہے۔ دروازے میں مراتب نمودار ہوتا ہے)

مراتب: (خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ) پان درکار ہوں گے سرکار کو؟

(پردہ گر جاتا ہے)

آج

"زندگی"، کبیرے "زندگی اور موت" میں موت کی اداکار، قوم کی امریکن ہے۔

"موت"، کبیرے "زندگی اور موت"، میں موت کی اداکار، ایک خوب صورت، انگریز لڑکی

"مینجر" ریستوران کا مینجر ـــــ ایک معمر انگریز جو اپنے لحیم چہرے کی وجہ سے چرچل معلوم ہوتا ہے۔

پروفیسر ٹھاکر، ایک ماضی پرست انسان جو اپنے آپ کو گاندھی سے کم نہیں سمجھتا۔

بلا نوش، امرت اور شنکر، ہندوستانی طالب علم جن میں شنکر کمیونسٹ ہے

صفدر، آرٹسٹ، جو ایک گراموفون کمپنی میں ملازم ہے۔

بیرہ، اور ہوٹل کے دوسرے مہمان

وقت ۱۹۴۴ء جب کہ روز ویلٹ کے ذاتی سفیر فلپس نے ہندوستان کے متعلق انکشافات کئے تھے اور مسٹر چرچل بہت سیخ پا ہوئے تھے۔

مقام کسی پریذیڈنسی شہر کا ایک بڑا ریستوران

پردہ اُٹھنے پر کیبرے "زندگی اور موت" دکھائی دیتا ہے۔ حاضرین بڑے انہماک سے اس ناچ کو دیکھ رہے ہیں۔۔۔۔۔ "زندگی" بھڑکیلا لباس پہنے ہوئے ہے اور "موت" نے ایک سیاہ فرغل اوڑھ رکھا ہے۔ "موت" "زندگی" کا پیچھا کرتی ہے، لیکن شوخ و شنگ زندگی بار بار طرح دے کر نکل جاتی ہے۔ آخر "موت" "زندگی" پر چھا جاتی ہے۔

ناچ کے فوراً بعد تالیوں کے شور میں "زندگی" اور "موت" ایک طرف ہو جاتی ہیں۔ کچھ دیر بعد کیفے کے ایک کونے میں "زندگی" لوگوں کی نظروں سے چھپی ہوئی، منیجر سے باتیں کرتی نظر آتی ہے۔

زندگی: اس وقت کے بجے ہیں، منیجر

منیجر: (اس نے نہیں سنا) —— فرمایئے محترمہ

بیرہ: (آگے بڑھ کر) جی میم صاحبہ

زندگی: (بیزاری سے) اُوف، میرے خدا! —— معلوم ہوتا ہے، آج سب لوگ بہرے ہو گئے ہیں۔۔۔۔ میں پوچھ رہی ہوں، اس وقت کے بجے ہیں؟ (ہجوم کی طرف دیکھتے ہوئے) آدھی رات کا عمل ہے اور اس بے ہنگم ہجوم میں سے ایک بھی شریف آدمی اُٹھتا نظر نہیں آتا

منیجر: اوہ! تو گویا خاتون "زندگی" اپنے آپ وقت نہیں دیکھ سکتیں؟

زندگی: میں اکثر مردوں کو خاتون نوازی کا موقع دیتی ہوں، منیجر، اگرچہ کچھ مرد۔۔۔۔۔ خیر، قصہ یہ ہے کہ میں اوٹ سے باہر نہیں آسکتی۔ دیکھتے نہیں میں نے ابھی تک "زندگی" کا لباس پہنا ہوا ہے۔

مینجر: تو پھر کیا ہے؟

زندگی: اُونہہ! تو پھر کوئی بات نہیں؟ ..... کیفے کی تمیوں میں جگمگانے لگے گا یہ لباس اور یہ سب تمہارے چلینی کے برتنوں سے غافل ہو کر میری طرف دیکھنے لگیں گے۔

مینجر: ہاں، یہ ٹھیک ہے .... لیکن کوئی ایسا حرج بھی نہیں ہے (کلاک دیکھتے ہوئے) اس وقت بارہ بجنے میں چھ منٹ باقی ہیں۔

زندگی: (ہنستے ہوئے) خوب! گویا پانچ منٹ اور نینتالیس سیکنڈ نہیں (پھر ہنستی ہے) ..... بہرحال .... "موت!" .... "موت"، نہ جانے کدھر چلی گئی ہے۔ آج کس خوبصورتی سے اس نے اپنے چمگادڑ ایسے کالے کالے پر مجھ پہ پھیلا دیئے کس انداز سے "زندگی" پہ جھپٹی اور آخر دم تک مجھ پر جھکی رہی۔ لوگوں نے تالیاں پیٹ پیٹ کر کان بہرے کر دیئے —— (طالب علموں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) وہ ہندوستانی طالب علم بہت جھومے۔

مینجر: (حسد سے) مجھے بھی خیال ہے انہوں نے کیریسے "زندگی اور موت" پسند کیا ہے .... "موت" نہ جانے کدھر چلی گئی ہے ابھی وہ اُدھر کھڑی لباس تبدیل کرنے کے متعلق سوچ رہی تھی اس نے اپنے وہ لمبے لمبے اور کالے ناخن علیحدہ نہیں کئے تھے ....

بیرہ: (دخل در معقولات) "موت"، کنٹرے کے قریب کھڑی ہے، ڈرم کے پاس —— میم صاحب! آپ فرمائیں تو .....

مینجر: (ڈانٹتے ہوئے) بیرہ!

بیرہ: معافی چاہتا ہوں حضور (لوری سنبھالتا ہوا چل دیتا ہے)

زندگی: بیرو! "موت"، کو کہہ دو "زندگی"، تمہارا انتظار کر رہی ہے (ہنستی ہے) کس قدر مضحکہ خیز ہے یہ بات! "موت" ایکا ایکی کسی کونے سے نکل آئے گی —— بالکل موت کی طرح! .. انسان زندگی میں موت کے سائے کو محسوس نہیں کرتا۔ وہ نہیں جانتا، اگلے ہی موڑ، اگلے ہی نکڑ پہ کالی کلوٹی، بھیانک موت ایک معمولی سے چھکڑے پر سوار ہو کر آ رہی ہے ...

(اچانک چھکڑا اُسے روند ڈالتا ہے۔

(ہندوستانی طالب علموں کا شور سنائی دیتا ہے)

ٹنکہ: ہمیں زندگی چاہیئے۔

بلانوش: ایک چھوٹا اور! ـــــ میں اپنے آپ کو مار ڈالنا چاہتا ہوں ـــــ مجھے موت کی ضرورت ہے۔

صفدر: (شراب کا پیگ اٹھا کر ناچتا ہے) اے ملں

بغل میں رہتی ہے تو کل کتاب کے بدلے مشق بڑھاتی ہے ہم نے جو بادہ خواری کی بغل میں

زندگی: یہ کون لوگ شراب پی رہے ہیں؟ ـــــ شراب مانگ رہے ہیں کیا؟ ـــــ کیا بار ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے بند نہیں ہو جاتا بنئے آبکاری قانون کے مطابق؟

بیرہ: (اس کے ہاتھ میں ٹرے ہے لیکن وہ متوجہ ہو جاتا ہے) ـــــ بند ہو جاتا ہے۔ میم صاحب، لیکن......

مینجر: شٹ اپ فول! (زندگی سے) ہاں محترمہ! معلوم ہوتا ہے آپ کہیں جانا چاہتی ہیں لیکن شاید بھول گئی ہیں۔ آج ہفتے کی رات ہے۔ ان لوگوں کے علاوہ گھاگرہ اطپٹن کے آدمی بھی یہاں موجود ہیں اور آپ کو گاہکوں کی خاطر ابھی یہیں ٹھہرنا ہے۔

زندگی: میں نے جانے کے متعلق کچھ نہیں کہا۔ میں صرف یہ پوچھ رہی ہوں، کیا یہ شور مچانے والے وہی نوجوان ہیں......؟

مینجر: وہی ہندوستانی طالب علم ہیں! سب کے سب پیئے ہوئے ہیں اگرچہ بار ساڑھے بارہ بجے بند ہو جاتا ہے لیکن یوں بے دریغ پیسے لٹانے والے گاہکوں کو ہم رد نہیں کر سکتے۔ کیا آپ ان کا ساتھ دیں گی یا خاتون "موت"؟

زندگی: اوہ مینجر! مجھے تو ان کی کمسنی پہ رحم آتا ہے! یہ بالکل نوعمر ہیں۔ شراب ان کے پھیپھڑوں کو چھلنی کر دے گی۔ ان کے دل اور دماغ کو ـــــ بالکل ناکارہ بنا دے گی مجھے یقین ہے

شباب وشراب نے انہیں پہلے ہی سے بے عمل بنا رکھا ہے۔

منیجر: شاید وہ سب طالبِ علم نہ ہوں مثلاً اس آدمی کو میں جانتا ہوں جس کے ماتھے پر بالوں کا ایک بڑا سا گچھا ہے۔ وہ شاید کسی گراموفون کمپنی میں نوکر ہے۔ لیکن یہ ٹھیک ہے۔ کہ ان میں سے کسی کی بھی عمر پچیس سال سے زیادہ نہیں۔ سب کھوئے کھوئے معلوم ہوتے ہیں، جیسے کسی کو پتہ نہ ہو اُسے کیا کرنا ہے (ہنستے ہوئے) ہمارے حق میں کس قدر اچھی بات ہے! دیکھو وہ پھر شور مچانے لگے ہیں!

پروفیسر ٹھاکر: تمہارا بیٹھنے کا طریقہ مجھے بالکل پسند نہیں، بلانوش!

بلانوس، (ہنستے ہوئے) گویا پروفیسر ٹھاکر ابھی تک اپنے آپ کو کلاس روم ہی میں سمجھتے ہیں۔

امرت، ٹانگیں کرسی کے بازوؤں پر رکھنا بدتمیزی ہے؟ ابھی تک آپ اخلاقیات میں اُلجھے ہوئے ہیں پروفیسر صاحب!

صفدر: یہ اخلاق کس بلا کو کہتے ہیں۔ مجھ سا دھات اور پتھر کے زمانے کا آدمی تو اسے نہیں سمجھ سکتا۔

بلانوش: تم پروفیسر کو کہہ دو (گاتے ہوئے)

......لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے!

(ہنستے ہیں)

پروفیسر ٹھاکر: نہیں، میں اخلاق کے متعلق کچھ نہیں کہہ رہا صفدر صاحب ــــ میں ......میں......

تنکہ: اس طرح بیٹھنے کا انداز روسی ہے روسی ہمیشہ کوئی نہ کوئی زاویہ بنا کر بیٹھتے ہیں، اُن کے چہرے پر ہمیشہ کوئی نہ کوئی کیفیت ہوتی ہے اور آپ کی طرح کورے نہیں دکھائی دیتے اس سے اُن کی سوبھاوک آزادی کا پتہ چلتا ہے وہ سمٹ کر نہیں بیٹھتے۔ بعض وقت وہ زمین پر لیٹے ہوتے ہیں تو اُن کی ٹانگیں کرسی پر ہوتی ہیں۔

رفیسر: اسی بات پہ مجھے اعتراض ہے۔ سنکر! تم لوگ کچھ بھی ہندوستانی ڈھنگ میں نہیں کرتے۔

تم بیٹھتے، ہو تو روسی انداز میں کھاتے ہو تو انگریزی طرز پر اور بولتے ہو تو فرانسیسیوں کی طرح
مثلاً اگر تمہیں ITISAMIRACLE کہنا ہے تو تم منہ کو کچھ اس طرح بگاڑو گے کہ تم
کہتے ہوئے معلوم ہو گے ——— C'ESTUNE MIRACLE

امرت: میرے خیال میں ٹھاکر ٹھیک کہتے ہیں، ہمیں مشرقی آداب کو نہیں بھولنا چاہیے۔

صفدر: مشرقی آداب کو میں بھی پسند کرتا ہوں گاؤ تکیے، مسند اور پیچوان کی تہذیب کا میں بھی قائل ہوں۔ لیکن آخر اس کیبرے میں آنے کا مطلب؟ کس قدر لطیف چیز ہے۔ شراب سے پہلے ہی سرور کا سامان ہے سہ

میخانۂ یورپ کے دستور نرالے ہیں
لاتے ہیں سرور اول دیتے ہیں شراب آخر

(بلند آواز میں) ہمیں زندگی کی ضرورت ہے!

بلانوش: بیرہ! ایک پیگ اور لاؤ۔ میں اپنے آپ کو مار ڈالنا چاہتا ہوں مجھے موت چاہیے!

بیرہ: حضور بار اس وقت بند ہو چکا ہے۔

صفدر: بکواس بند کرو پاجی کہیں کے۔ جاؤ مینجر سے ہمارا نام بول دو۔

پروفیسر ٹھاکر: ہم انگریزی اوپیرا کو پسند کرتے ہیں، لیکن ہم کرشن بانسرا کو بھول گئے ہیں جنہیں کرشن پجاری اپنے مذہبی تہواروں میں کھیلا کرتے تھے۔ جن میں جیدیو چنڈی داس اور ودیاپتی کے گیتوں کو گایا جاتا تھا۔ جن میں رادھا اور کرشن روح اور اس کا سوامی مدھر وچنوں میں نہ مرنے والا پریم جتایا کرتے تھے۔ آہ! جیدیو کا گیت گووند ”کو بنا گت نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔“

تشنکر: ہم پرانی روایتوں کے کنڈے پر ضرور آئے ہیں۔ لیکن، ہم گدھ نہیں ہیں جو گرے ہوئے مردوں کو اکھاڑتے پھریں۔ تمہارا باپ سلطان تھا تو نہیں کیا؟

صفدر، امرت بلانوش (اٹھ کر) تراچہ؟ تراچہ؟ تراچہ؟

پروفیسر ٹھاکر: (میز پر مُکا مارتے ہوئے) یہ آپ کے مینی فیسٹو میں لکھا ہے ——— آپ اپنے ماضی کو نہیں بھلا سکتے۔

شنکر: ہم اپنے ماضی کے وارث ضرور ہیں۔ لیکن ماضی پرست نہیں ہیں اور یہی فرق ہے جسے ہم کمیونسٹ واجب سمجھتے ہیں۔

پروفیسر ٹھاکر: میں صفدر ایسے ادیبوں کی پروا نہیں کرتا جنھوں نے پرانے ادب کو اپنے آپ میں حل نہیں کیا۔ میں امرت، شنکر اور بلانوش جیسے کمیونسٹوں کا قائل نہیں جو کسان کانفرنس میں کوسفتے سے لے جاتے ہیں اور وہاں بھی کورسوں میں کھانا کھاتے ہیں۔

شنکر: اس کا سیدھا سادا مطلب ہے کہ ٹاپ اور پیاز ہماری طبیعت کے موافق نہیں ..... آپ ذرا DIALECTICALLY بات کیجیے۔

پروفیسر: (برہم ہو کر) پھانسی پر لٹکانے کے لئے بہترین آدمی ایک کمیونسٹ ہے سب جانتے ہیں اور سب کے ساتھ وہ بھی جانتا ہے کہ فلاں طریقہ غلط ہے۔ لیکن اس نے سب باتوں کے لئے ایسا جواز پیدا کر رکھا ہے کہ آپ اُسے بحث میں کسی طرح قائل نہیں کر سکتے۔

(شور)

امرت: خُوب! ..... تو پھر اس بحث کو جلنے دیجئے۔

صفدر: ارے بلانوش سے بے ہوش ہونے والا ہے زندگی کو بلاؤ۔

شنکر، صفدر، امرت: زندگی ——— زندگی ——— خاتون زندگی!

(دوسری طرف)

زندگی، لیجئے۔ وہ زندگی کے لئے پکار رہے ہیں اور یہ "موت" آگئی۔

موت: ا..... و..... ف! میں کتنی تھک گئی ہوں یہ زندگی!" (ہنستی ہے) مارنا، بگاڑنا، بنانے اور سنوارنے سے کہیں آسان ہوتا ہے لیکن بنانے میں تخلیق کی جو خوشی ہوتی ہے۔ وہ

اس کا بدل آپ ہوتی ہے۔ بگاڑنے کی آسانی کس قدر بوجھل ہوتی ہے کہ اس کے بعد تئیں توڑ ڈالنے کا افسوس ہوتا ہے ـــــ کیوں "زندگی"؟ (بدستور ہنستے ہوئے) آج کے کیبرے میں جسم ہیں بان نہیں چھوڑی پٹھے بالکل اکٹھے گئے ہیں۔

(بلانوش کے رونے کی آواز آتی ہے)

زندگی: مینجر! ـــــ وہ طالب علم رونے لگا ہے شاید وہ زیادہ پی گیا ہے (کچھ سوچ کر) کیا اس کے لئے کوئی بھی ذمہ داری محسوس نہیں کرتا مینجر؟ ـــــ اس نئی پود کے لئے جس نے اس ملک کے بچوں کے باپ بننا ہے اور جس سے اس ملک کی تمام امیدیں وابستہ ہیں۔ کیا انہیں یوں تباہ کر دینے والی زندگی سے کوئی نہیں روکتا؟

موت: اوہ! تم ان چھوکروں کی قسمت پر آنسو بہا رہی ہو؟ . . . . میرے خیال میں یہ سب بالغ ہیں ـــــ اپنی رائے دینے کا حق رکھتے ہیں۔ انہیں ہر طرح کی شخصی آزادی ہے۔ انہیں اپنا نفع اور نقصان خود سمجھنا چاہیئے۔

مینجر: میں خاتون "موت" سے متفق ہوں! (مسکراتا ہے)

زندگی: (کٹ کر) اس لئے کہ یہ چیز آپ دونوں کے لئے مفید ہے۔ لیکن میں کہتی ہوں مینجر ایسی آزادی نوجوانوں کو ہمارے مغربی ملکوں میں بھی نہیں ملتی۔ انہیں زبردستی کھلی ہوا میں رکھا جاتا ہے۔ اُن کی ورزش، خوراک اور صحت کے لئے حکومت ذمہ دار ہے۔ آخر انہیں لوگوں کو اس ملک کی نسل بڑھانی ہے۔

مینجر: آپ کیسے کہتی ہیں ان لوگوں کے لئے کوئی پابندی نہیں؟ ان کی نقل و حرکت پر بھی قید ہے۔ مثلاً یونیورسٹی پراکٹوریل! . . . . لیکن اس کے باوجود یہ کسی نہ کسی طرح سینما گھروں، ہوٹلوں اور بازاری اڈوں میں پہنچ جاتے ہیں اور وہاں کی رونق بڑھاتے رہتے ہیں۔

زندگی: تم کیوں نہیں تعلیمی اداروں سے تعاون کرتے؟ کیوں نہیں کالجوں سکولوں میں اطلاع دے دیتے؟

موت : (قہقہہ لگاکر) زندگی " بڑی خوش فہم خاتون ہیں۔ اس کام کے لئے ہم لوگوں کو فرصت ہی کہاں ہے ؟

بلنجر : ہم اتنے نیک ہو کہ اپنے کاروبار کو تباہ کرنا نہیں چاہتے۔ خاتون "زندگی!" پھر جیسے "موت" فرما چکی ہیں ان لڑکوں کو خود اپنا نفع نقصان سوچنا چاہیئے۔

زندگی : بلنجر! تم بڑے ٹھنڈے انسان نظر آتے ہو۔ تم جوانی کی خودسری کو نہیں جانتے۔ معلوم ہوتا ہے تمہاری جوانی کڑے ماں باپ کی آنکھوں تلے گزری ہے ——

بلنجر : تعجب ہے ! آپ نے بالکل درست فرمایا۔

زندگی : خاتون موت اس بات کا اندازہ نہیں کر سکتیں کہ وہ خود نوجوان ہیں۔

موت : خوب ! میری کم نظری کے متعلق بھی آپ نے ٹھیک کہا (ہنستی ہے)

زندگی : "موت" زندگی کی سب باتوں پہ ہنس سکتی ہے۔ زندگی جس کے چہرے کی لکیریں غازے نے چھپا رکھی ہیں جس کا پیٹ یوں ہے، جیسے کسی خشمگیں بلی نے پنجوں سے زمین پر لاتعداد نشان بنا دیتے ہوں اور جسے اس نے خوبصورت کپڑوں میں لپیٹ رکھا ہو...... جوانی کی ہٹ میں میں نے جسم پہ ناپاک حملے کئے جسم جو پاک اور مقدس ہے !...... تین بار اسقاط کے بعد مجھے پتہ چلا۔ جسم ایک ایسی چیز ہے جس کی حفاظت، پرستش کرنی چاہیئے۔ یہ ایک ایسی شے ہے جسے بگاڑنے کا میرا کوئی حق نہیں۔ یہ جسم میرا اپنا نہیں ہے۔ یہ میری اولاد اور اس کے بعد میری اولاد کی اولاد کا ہے۔ یہ ملک اور قوم کی امانت ہے (اد اس خاطر ہو کر)...... لیکن اس خیانت اس غداری کے بعد میں تجربے کے بوجھ سے جھک چکی تھی۔

(طالب علم زیادہ شور مچانے لگتے ہیں اور بار بار زندگی کا نام لیتے ہیں)

بلنجر : خاتون "زندگی" ! لڑکے آپ کو بلا رہے ہیں آپ ان کا ساتھ دیجئے (کچھ سوچ کر دیکھئے! آپ ان پہ رحم اور کرم کی بارش نہ فرمایئے گا۔ آپ وہ کام کیجئے گا جس کے لئے آپ کو ادا کیا جاتا ہے۔

زندگی: (کھوئے کھوئے سے انداز میں) میں نہیں جانتی۔ وہ مجھے یاد ہے ہیں یا صرف زندہ رہنے کے لئے تڑپ رہے ہیں!

موت: جو کچھ بھی ہو۔ آپ ان کے پاس جائیں تو......

منیجر: ہاں! میں پھر یاد دلاتا ہوں، آپ ان سے وہی بات کیجیئے جس کی اشد ضرورت ہے۔ ورنہ مجھے خاتون "موت" کو بھیجنا ہوگا۔

موت: لیکن منیجر! آج ہم نے پورٹ شراب کے چار آنے بڑھا دیئے ہیں۔ تم فقط رنگ دار پانی دے دینا۔ بارہ آنے تم رکھو گے اور آٹھ آنے ہم۔ دیکھیئے صاف پانی نہ دکھائی دے اگر خاتون کو ان کے پاس بیٹھنے کا موقع ملا تو آٹھ دس پیگ پلا ہی دیں گے۔

زندگی: (بیزاری سے) لیکن کیا بار بند نہیں ہوا؟

موت: نہیں! بار بند نہیں ہوا۔

منیجر: (خفیف غصے سے) نہیں محترمہ! ان لوگوں کے لئے بار کھلا ہے۔

زندگی: (طالب علموں کی طرف جاتے ہوئے) میں ان کا ساتھ دینے کو تیار ہوں۔ لیکن جب تک وہ مجھے بلائیں گے نہیں میں ان کے پاس نہیں جاؤں گی۔

(بلانوش سسکیاں لے رہا ہے)

ننکمہ: ہونہہ! کس قدر بے ہودہ انسان ہے۔ بچوں کی طرح بے تحاشا رو رہا ہے (قدرے اونچی آواز میں) بلانوش! رونا بند کرو۔ ہم تمہاری بے احمقانہ حرکت برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر رونا نہیں بند کر سکتے تو باہر چلے جاؤ۔

صفدر: ننکمہ اتنی سختی مناسب نہیں ہے۔ اگر تم نے اس کا ہنسنا پسند کیا ہے تو اس کے رونے کو بھی تمہیں برداشت کرنا ہوگا۔ وہ صرف اندھے تمہارا ساتھی ہے۔

ننکمہ: میں کسی کو جذبات میں بہتے ہوئے دیکھنا پسند نہیں کرتا۔

پروفیسر ٹھاکر: ایک اور بات جس سے کمیونسٹوں کو نفرت ہے۔ یہ بات! گویا یہ!

محسوسات کا حصہ ہی نہیں ہیں۔

صفدر: وہ ہر طرح سے تمہارا ساتھی ہے۔ تم اپنی مرضی سے زندگی میں اس طرح کا انتخاب نہیں کر سکتے۔ تمہیں کیا حق ہے کہ جس کو چاہو قبول کر لو۔ اور جس کو چاہو رد کر دو۔ تمہیں زندگی کو بحیثیت مجموعی قبول کرنا پڑے گا۔ ہنسنے کے ساتھ رونا، پاکیزگی کے ساتھ غلاظت زندگی کے ساتھ موت، ورنہ زندگی تمہیں رد کر دے گی۔

پروفیسر ٹھاکر: مجھے پینے والوں کی برادری ہی سے نفرت ہے بہ خود پیتے ہیں۔ لیکن پیتے ہوئے انسان کو کس قدر نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

شنکر: وہ اس بات کی توقع رکھتے ہیں کہ سب کام ہوش اور حواس میں کئے جائیں پینے پر کسی کو اعتراض نہیں۔ البتہ پی کر بد ررو میں لڑھکنے والے سے ضرور نفرت ہے۔

امرت: کیوں نفرت کیوں ہے؟ میں نہیں سمجھتا کہ پیتے ہوئے آدمی پیمائش کا خیال رکھے — انسان کا اندازہ غلط ہو سکتا ہے۔

صفدر: اس تنفر کا حق کسی کو نہیں پہنچتا۔ اپنے اُبکائیاں لیتے ہوئے بھائی کو رد کرنا سراسر ناجائز ہے۔

پروفیسر ٹھاکر: یہ بالکل SNOBB ISH ہے!

بلانوش: نہیں نہیں مجھے چھوڑ دو میں تم سب لوگوں کو رد کرتا ہوں۔ وہ جو مجھ سے نفرت کرتے ہیں اُن کو بھی اور جو ہمدردی جتاتے ہیں اُن کو بھی (گلاس دنیچا کرتے ہوئے) آہ! شراب کس قدر اچھی چیز ہے جو مجھ ایسے انسان کے احساسات کو تیکھا کر دیتی ہے! اور میں محسوس کرنے لگتا ہوں کہ میں نے اپنی زندگی کو مکمل طور پر تباہ کر لیا ہے (رک کر) میں نے اسی شہر کے ایک کالج سے پہلے ایک ایم اے کیا پھر دوسرا ایم۔اے اور اپنے چچا کی مدد سے ایک مذہبی یونیورسٹی میں لیکچرار کی آسامی پر مامور ہو گیا۔ . . . .

پروفیسر ٹھاکر: اوہ بلانوش! — تم پروفیسر بھی رہے ہو؟

بلانوش: (سر اٹھاتے ہوئے) ہاں شنکرہ! میں بھی تمہاری طرح ایک مذہبی یونیورسٹی میں لڑکوں کو پڑھاتا رہا ہوں۔ لیکن اس وقت میرے دماغ میں جوانی کا جوش تھا۔ میں اس وقت "باغی" خیالات سے بہت متاثر تھا۔ چنانچہ میں نے لڑکوں وہ پڑھایا۔ جسے میں سچ سمجھتا تھا۔ میں نے کہا۔ وہ سب کچھ غلط ہے جو اس مذہبی درسگاہ کے لوگ کہتے ہیں۔ میں نے بغاوت کی اور بے دریغ کی۔ لڑکوں نے یہ چیزیں کبھی نہیں سنی تھیں۔ یونیورسٹی کے ناخداؤں نے ایسے پڑھانے والے کبھی نہیں دیکھے تھے اور اُن کے اعتراض کرنے پر میں نے نوکری کو لات مار دی.....

شنکرہ: اور تمہیں اپنے کیے پر افسوس ہے؟

بلانوش: نہیں شنکرہ! مجھے اس بات کا افسوس نہیں کہ میں نے اس دارالتعلیم کے آستانے پر سر نہیں جھکائے رکھا۔ البتہ مجھے اس بات کا دکھ ضرور ہے کہ وہ عقیدے جن کی غرض سے میں نے ملازمت کو ترک کیا، انہیں عملی طور پہ نبھا نہ سکا۔ اس کے بعد مجھے نائب تحصیلدار کی آسامی پیش کی گئی۔ لیکن میں نے اُسے رد کر دیا (پتھرائی نظروں سے خلا میں دیکھتے ہوئے) .... آہ! ایک مقصد کی خاطر ان چیزوں کو رد کرنا میری روح کو کس قدر بلند کر دیتا تھا!

امرت: (بلانوش کے اور قریب ہو جاتا ہے) پھر کیا ہوا بلانوش؟

بلانوش: میں نے پارٹی کے لئے کام کیا۔ لیکن ہمیشہ گرفت سے بچ کر۔ میری ایک ماما ہے۔ ماں! جس کی امیدوں کا میں مرکز تھا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میں گرفتار ہو کر اسے اس حد تک مایوس کروں کہ وہ۔ وہ...... لیکن شاید میں نے اسے اپنی بے عملی کا ایک بہانہ بنا لیا تھا۔ میرے عملی کام کے بعد اگر وہ مر بھی جاتی تو میری روح کو بیک وقت دکھ اور سکون ہوتا، لیکن تم جانتے ہو۔ ہمارے ملک میں سیاست ایک کھیل ہے جسے صرف امیر لوگ ہی کھیل سکتے ہیں۔ مجھے اپنی کوششیں ایک مچھر کی اڑان نظر آئیں......

نشکر: اور تم نے پارٹی میں کام کرنا چھوڑ دیا؟

بلانوش: میں کبھی کبھی اُن کے سٹڈی سرکل میں جایا کرتا اور میں نے ارادہ کیا کہ کتابیں لکھنے اور ترجمہ کرنے کا کام شروع کروں۔ لیکن عملی طور پر سیاسی کام اور اس کام میں انتخاب کے متعلق ہمیشہ میرے ذہن میں کشمکش رہی۔ میں نے ہمیشہ اپنے آپ کو ایک دوراہے پر محسوس کیا۔ پھر اسی دماغی اُلجھن میں میں سب کچھ بھول گیا۔ میں اُن عقیدوں کو بھول گیا۔ اپنے آپ کو بھول گیا۔ میں کوئی کام بھی جی لگا کر نہ کر سکا۔ میں نے گھبرا کر جب انہیں چیزوں کو پکڑنے کی کوشش کی جنہیں میں رد کر چکا تھا تو مجھے پتہ چلا کہ وہ میری گرفت سے نکل چکی تھیں —— ان چیزوں نے مجھے رد کر دیا تھا! . . . . چند مالی مشکلات میں مبتلا ہو کر اب میں ایک کلرک ہو گیا ہوں اور بس! اور جب میرے سابقہ ہمدرد باتیں کرتے ہیں تو میں جی میں کُڑھتا ہوں کس قدر لغو ہے۔ دماغی طور پر یہ لوگ مفادات ہیں لیکن . . . وہ اپنی بات منولتے ہیں اور مجھے ان اپاہجوں کے سامنے سر جھکانا ہوتا ہے آہ! وہ شخص جسے اپنے آدرش کا راستہ نہ مل سکے، اس شخص سے کہیں ذلیل زندگی گزارتا ہے جس کا کوئی آدرش ہی نہ ہو (بلانوش پھر رونا شروع کر دیتا ہے)

صفدر: مت روؤ، بلانوش! مت روؤ۔ تمہارا ابھی دن آئے گا!

بلانوش: (روتے ہوئے) اب میں کس قدر فرار ڈھونڈتا ہوں۔ میں اچھے سے اچھے سگریٹ تلاش کرتا ہوں اور انہیں اپنے فرصت کے لمحوں کا ساتھی بناتا ہوں۔ سگریٹ بھی ایک بطور س چیز ہے، میری طرح۔ اور پھر دھوئیں اور راکھ میں تبدیل ہونا شروع ہوتی ہے! پھر میں عورت کی آغوش ڈھونڈتا ہوں، شراب پیتا ہوں۔ ایک بڑی بیماری چھوٹی بیماری کو کچل دیتی ہے لیکن بڑی بیماری . . . . ؟

صفدر: صبر کرو، بلانوش . . . . اس میں مجھے اپنی دکھ بھری کہانی نظر آتی ہے۔

بلانوش: کرنے کے لئے کوئی بھی کام حقیر نہیں، عمل کے لئے کبھی دیر نہیں —— میں اس بات

کو جانتا ہوں لیکن کر نہیں سکتا۔ مجھ میں عمل کی قوت نہیں رہی۔ اور اب میری یہ حالت ہے!

(رونے لگتا ہے)

صفدر: مجھے اپنے انجام سے ہمیشہ خوف آتا رہا ہے۔ ایک فن کار سے زیادہ اچھی زندگی کسی کی نہیں۔ وہ عوام پر حکومت کرتا ہے، انہیں احمق کہہ کر اُن ہی سے داد وصول کرتا ہے۔ لیکن فن کار کی زندگی سے زیادہ ذلیل زندگی نہیں جب کہ وہ اپنے عروج سے گزر جاتا ہے۔ جب وہ لوگوں کی نگاہوں کا مرکز نہیں رہتا۔

بلانوش: لیکن تم عمل سے غافل بھی ہوئے؟

صفدر: آہ! تمہیں کیا معلوم بلانوش! اگر میں عامل ہوتا تو میں آج یہاں موجود نہ ہوتا۔ میری صحیح جگہ میراڈ لیبک ہے۔ جب میں نے ادب میں حصّہ لینا شروع کیا تو میں سمجھتا تھا میں پیغمبر ہوں۔ کوئی برتر طاقتوں کا پیغام میرے لیے آیا ہوں۔ شروع شروع میں میں ڈاک کے محکمے میں منشی کا کام کیا کرتا تھا۔ ٹکٹیں اور لفافے بیچا کرتا۔ لیکن ٹکٹیں اور لفافے بیچتے ہوئے بھی جب کوئی خیال آتا تو میں اسے لکھ لیتا۔ کئی بار یہ ہوا کہ میں نے ٹکٹیں زیادہ دے دیں اور شام کو خسارہ برداشت کیا۔ لیکن میں عامل ضرور تھا۔ اُس وقت کام کرتا تھا۔ آدھی رات کو بھی لکھنے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوتا۔

تنسکر: لیکن اب کیا ہوا صفدر؟

صفدر: میں نے وہ حقیر ملازمت چھوڑ دی تاکہ اپنا مقصد حل کر سکوں۔ چند دنوں کے لیے بیوی بچے بھوکے مرے اور میں گھبرا گیا۔ مجھے دن رات محنت کرنی چاہیے تھی۔ لیکن میں نے نہ کی۔ میں نے کم سے کم مزاحمت کا راستہ اختیار کر لیا۔ میں بازاروں میں گھومنے لگا ایک مبہم سے احساس کے ساتھ...... کچھ ہونے والا ہے! مجھے یقین نہ آتا تھا۔ ہم بھوکوں مرنے لگے۔ میں گھومتا رہا، گھومتا رہا۔ گویا آسمان سے میرے لیے من وسلویٰ اُترآئے گا۔ جب آسمان سے کچھ نہ اُترا تو میں ایک دوست کے ہاں مہمان ہو گیا۔ اِدھر اُدھر

سے چند پیسے بنا کر میں بیوی بچوں کو بھیج دیتا، اور خود اس دوست پر بوجھ بنا رہا، وہ میاں بیوی میری خاطر داری کرتے اور شام کو آپس میں جھگڑتے۔ میرا دوست اپنی بیوی کو مارا کرتا اور میں سمجھتا شاید اُن کا کوئی نجی تنازعہ ہے۔ لیکن ایک دن خیال آیا کہ مجھے یہاں سے چلا جانا چاہیئے۔ میرے دوست کی بیوی نے جو آلو اپنے خاوند کو دیتے وہ زیادہ مرغن تھے میں چلا گیا اور وہ میاں بیوی ہنسی خوشی رہنے لگے۔ . . . .

امرت: اور پھر تم گراموفون کمپنی میں کیسے آئے؟

صفدر: اسی طرح کام سے جی چراتا ہوا میں اتفاقاً گراموفون کمپنی کے منیجر کو مل گیا۔ اُس نے میری پہلی تنخواہ سے تین گنا زیادہ پیسے پیش کئے۔ میں نے بظاہر بے اعتنائی کا اظہار کیا۔ لیکن میں اپنے دل کی کیفیت جانتا تھا۔ میں اس کے ہاں نوکر ہو گیا۔ معاہدہ تھا کہ وہ مجھ سے چھوٹے چھوٹے ڈرامے لکھوائے گا اور انہیں ریکارڈ کرے گا لیکن وہ مجھ سے "رائٹ اپ" اور اشتہار کے سوا اور کچھ نہیں لکھواتا وہ میری قیمت نہیں سمجھتا۔ بارہا مجھے وہ شعر یاد آتا ہے ؎

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگیٔ داماں بھی تھا

ان چند کلیوں نے مجھے کہیں کا نہ رکھا۔ میں اگر مصیبتوں کا مقابلہ کرتا تو میں وہ ادب پیدا کر سکتا تھا جو . . . .

شنکر: لیکن تم اپنے فرصت کے لمحوں میں کام کیوں نہیں کرتے صفدر؟

صفدر: وہاں اس قسم کا کام کرنے سے دماغ تھک جاتا ہے شنکر! لیکن نہیں اُن کلیوں، اُن ٹکیوں نے مجھے آرام کا قائل بنا دیا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ہر ماہ کی سات تاریخ کو مجھے برابر پیسے مل جائیں گے۔ رات ہوتی ہے تو میں آرام کے لئے لیٹ جاتا ہوں صبح اُٹھوں گا۔ اور کچھ کام کروں گا۔ لیکن رات کو میں بستر کا ادب تخلیق کرتا ہوں اور صبح اُٹھنے کی سکت

نہیں ہوتی چھٹی کے دن کوئی رشتہ دار آجائے تو مجھے ایک آسان سا بہانہ مل جاتا ہے۔ میں خود ہمیشہ بری الذمہ ہوتا ہوں۔ قصوردار دفتر کا مینجر ہوتا ہے، یا میری بیوی اور بچے۔۔۔۔ یا میرا نکما بھائی جو دس سال سے میرے ٹکڑوں پر پل رہا ہے!

بلانوش: ایسے ہی ہوتا ہے صفدر ایسے ہی ہوتا ہے۔۔۔۔۔

صفدر: اور میں مینجر سے خوف کھانے لگا ہوں گویا اُس نے میری اس کمزوری کو بھانپ لیا ہے اب وہ بالکل میری پرواہ نہیں کرتا۔ وہ ہمیشہ اپنے اور ماتحتوں کے درمیان ایک فاصلہ قائم رکھتا ہے وہ کسی کے سامنے نہیں مسکراتا نہ کھانا کھاتا ہے اور نہ کسی خوب صورت لڑکی کی طرف بھوکی نگاہ سے دیکھتا ہے وہ کس قدر کم گو ہے۔ جب کسی ماتحت سے قصور ہو جاتے تو اس وقت اسے کچھ نہیں کہتا وہ اپنا کیس تیار کر لیتا ہے اور پھر اپنے شکار کو بے خبری کے عالم میں جھپٹ لیتا ہے ماتحت بے چارہ تلملانے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا۔۔۔۔ وہ ڈریوفس کے اعزازی وکیل زولا کے انداز میں کہتا ہے۔

I ACCUSE۔۔۔۔۔ اور مجرم اس کینچوے کی طرح تڑپتا ہے جس پر کسی کا پاؤں آجائے اور میں کس قدر ذلیل ہو چکا ہوں مجھے یہ بتلاتے ہوئے ندامت نہیں محسوس ہوتی کہ پرسوں ایک کاروباری رائٹ اپ اچھا نہ لکھے جانے پر اُس نے مجھے بلایا اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد ایک دم کہا ـــــ "تم احمق ہو"، اور مجھے کمرے سے باہر نکال دیا اور یہ وہی دن تھا جس دن مجھے آج کی شراب کے لئے پیسے ادا کرنے تھے!

(میز پر گردن جھکا لیتا ہے)

ششکر: صفدر، صفدر۔ دیکھو واقعی احمق نہ بنو۔۔۔۔

صفدر: اگر میں نے ایک فل سکیپ ورق بھی ہر روز لکھا ہوتا تو مہینے بھر میں ایک کتاب پیش کر سکتا اور مینجر کو چیلنج کر سکتا تھا۔ لیکن میں نے نہیں کیا میں اپنی رذالت میں خوش ہوں

میں آرام، صبر اور شکر کا قائل ہو گیا ہوں اور یہی سب سے بڑی لعنت ہے۔

شنکر: تم نہیں جانتے صفدر! ہم سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں۔ میں بھی تم لوگوں کی طرح زندگی سے بھاگ کر آیا ہوں جیسے ٹھاکر نے کہا ہے ہم شراب اور شباب کا جواز پیدا کرتے ہوئے بھی جانتے ہیں کہ قوم میں جاگرت پیدا کرنے والوں کی جگہ شراب خانہ نہیں ہے.......

پروفیسر ٹھاکر: مدہوش لا نہیں ہے، اچھا ہوا تم بھی سیدھے راہ پر آ گئے۔

شنکر: لیکن سنو! یہ باتیں صرف اس کمیونسٹ سے متعلق ہیں جسے شنکر کہتے ہیں۔ میں ایک بڑے باپ کا بیٹا ہوں پیسہ وافر ہونے کی وجہ سے زندگی کا ہر آرام، تعلیم، پیار اور پریم کے حاصل ہونے کے باعث مجھ میں کمتری کا کوئی خیال نہ تھا۔ میں نے آسانی سے نوجوانوں کی سربراہی اور لیڈری حاصل کر لی۔

امرت: گویا اب تم لیڈر نہیں ہو!

شنکر: اب میں صرف نام کا لیڈر ہوں۔ لیکن میں عمل سے غافل ہوں۔ میں اب بھی کام کرتا ہوں لیکن جانتا ہوں میرا دل اس میں نہیں ہے۔ شروع کے دو سال میں نے پسماندہ علاقوں اور گاؤں میں جا کر بہت کام کیا۔ مجھے وہ دن یاد ہیں۔ جب میری وجہ سے میرے باپ کی نوکری خطرے میں پڑ گئی تھی۔ وہ چپکے سے میرے کمرے میں آ گئے انہوں نے مجھ سے کچھ نہ کہا۔ وہ صرف دیکھتے رہے ایکا ایکی انہوں نے اپنی پگڑی اتار کر میرے پاؤں میں رکھ دی اور پھر خاموش ایک طرف کھڑے ہو گئے۔ میں نے نظریں اوپر اٹھائیں۔ میرا باپ بیس سال اور بوڑھا نظر آ رہا تھا۔ اُن کی گردن جو زندگی میں کسی کے سامنے نہیں جھکی۔ اس دن میرے سامنے جھکی ہوئی تھی۔ مجھے کوئی حق نہ پہنچتا تھا کہ اپنے عقیدوں کی خاطر، اپنے دوسرے بھائی بہنوں کا مستقبل تاریک کر دوں، اپنے ماں باپ کا بڑھاپا خراب کر دوں۔ میں نے ان لوگوں سے اپنے آپ

کو علیحدہ کر لیا اور خود بھاگ گیا، اللہ گراؤنڈ چلا گیا۔ ہم نے آپ کو عاق کر لیا۔ گویا میرے ماں باپ مجھے نہیں چاہتے، اپنی دولت چاہتے ہیں۔ میری ماں مرگئی وہ ایک دن میرا نام پکارتی ہوئی گھر کی دہلیز تک آئی، گری اور پھر نہ اٹھی میرے عزیز کہتے ہیں، اس کی آنکھیں کھلی تھیں وہ مرچکی تھی۔ لیکن شاید اس کی آنکھیں؛ اور وہ پردہ جس پر نقش مرقوم ہوتے ہیں۔ زندہ تھا......!

صدر: چپ ہو جاؤ شنکر! ...... مجھے حبس سا محسوس ہو رہا ہے (قمیص کے بٹن کھول دیتا ہے)

شنکر: میں نے اس غم کو دیش سیوا میں مدغم کرنے کی کوشش کی۔ میں نے خون پسینہ ایک کر دیا میں کئی بار پکڑا گیا۔ لیکن میرے دل کی شمع روشن رہی۔ میں نے کئی دفعہ جہالت کی چٹان پر سر پھوڑا۔ لیکن میں نے پھر ہمت کی کمر باندھ لی۔ گاؤں کے لوگ سمجھتے ہیں۔ جب سے دنیا بنی ہے ایک راجا ہوتا رہا ہے۔ زمین اس راجا کی ہوتی ہے جس میں، ہل چلانے کا معاوضہ وہ لگان، مالیہ کی صورت میں دیتے ہیں۔ درمیان میں یہ لیگ کانگریس کہاں سے آ ٹپکتی ہیں؟ انہیں یقین ہی نہیں آتا کہ یہ زمین اُن کی اپنی ہے وہ ہنس دیتے ہیں۔ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں آخر ایک دن ایسا آیا، میں مایوسی کی کھائی میں گر گیا۔

بلانوش: گویا کوئی خاص واقعہ ہوا؟

شنکر: سنو بلانوش! ایک دن میں نے تین دن سے پیٹ بھر کھانا نہیں کھایا تھا۔ گرمیوں کا موسم تھا۔ انگارے برس رہے تھے تپش کی وجہ سے کھیت کا پتہ پتہ نظر آ۔ تے تھے۔ پسینہ کا ایک قطرہ، جو میری گردن سے ڈھلتا تھا۔ اُسے میں پیٹھ پر سے گھٹنوں پر اور گھٹنوں سے ٹخنوں پر ٹپکتے محسوس کر رہا تھا۔ میری حالت بہت بری تھی میں بالغوں کو پڑھا کر اُن میں جاگرت پیدا کر رہا تھا اور وہ اونگھ رہے تھے، سو رہے تھے، خراٹے لے رہے تھے، میں نے انہیں جھنجھوڑ کر پڑھانا شروع کیا۔ میں نے دیہاتیوں کو سرکار کے متعلق

کچھ کہا۔ اچانک اُن کے چہروں کا رنگ بدلا۔ وہ سُرخ ہو گئے۔ سُرخ! میں نے کہا۔ ایک ڈھا اور بنا دینے والی، روسی نفرت پیدا ہوئی۔ لیکن ایک اُٹھ کر بولا "اگر سرکار مجھے کہیں سڑک پر جاتی ہوئی مل جائے تو میں اُسے چوٹی سے پکڑ کر پٹخنی دوں —— وہ سمجھتا تھا سرکار کوئی عورت ہے" اور اسی دن میں نے بد دل ہو کر گاؤں چھوڑ دیا۔ ٹاپ اور پیاز کھانے کے بعد میں پھر قورمے اور کوفتے، انہی کوروس میں کھانے لگا۔ شراب اور شباب کے حق میں بھی میں نے دلیلیں تلاش کر لیں۔ اس قدر تاریکی! اتنی جہالت!

...... میں نے کہا۔ اُن لوگوں کا کیا ہوا، جنہوں نے اپنی زندگی، دوبارہ نہ ملنے والی زندگی، ان لوگوں پر قربان کر دی؟ پھر میں نے کہنا شروع کیا، ہمارے ملک میں چھ ماہ اس قدر ذلیل موسم ہوتا ہے۔ اس قدر گرمی پڑتی ہے کہ ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ روس؟ روس میں سخت سردی کے باوجود لوگ کپڑے پہن کر گھوم سکتے ہیں۔ ووڈکا اور کیومس پی کر آپ کو گرم رکھ سکتے ہیں۔ لیکن یہ ایک بہانہ تھا کام نہ کرنے کا، سردی اتنی ہی منجمد کر دیتی ہے، جتنا گرمی خون پانی کر دیتی ہے۔ میں نے عمل سے منہ موڑ لیا، اور آج .....

صفدر: بس...... بس —— شکریہ! اس سے زیادہ برداشت نہیں ہوتا۔ ہم سب کو درحقیقت عامل ہونے کی ضرورت ہے۔ ہمیں زندگی سے ٹکر لینی چاہیے۔

بلانوش: ہمیں اپنے ماحول سے جنگ کرنی چاہیے۔

پروفیسر ٹھاکر: ہمیں بھارت کی پرانی روایتوں کو زندہ کرنا چاہیے ہمیں پران، وید پڑھنے چاہئیں وہی ہمیں عمل کی راہ بتا سکتے ہیں اس بدیشی روش نے ہمیں کہیں کا نہیں رکھا۔

امرت: ہمیں کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے۔ حرکت میں برکت ہے صفدر! تم اپنے آنسو پونچھ ڈالو۔

بلانوش: (استغراق سے اُٹھتے ہوئے) صفدر آرٹسٹ ہے! وہ سب کے لئے کڑھتا ہے۔ روتا ہے اُسے رو لینے دو۔ اُسے ہمارے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے دو۔ اس کے یہ آنسو مبارک ہیں۔ شاید ان کے بعد ہم عملی انسان بن جائیں!

صفدر: آہ! بلانوش! ایسے آنسو ہم اس سے پہلے بھی بہا چکے ہیں۔

شنکر: خاموش صفدر! صبر! ہم ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ لیکن تم ایک بانی ہو GENRE! زمانے کی روح! تم ایک آئینہ ہو جس میں ہمارا سماج اپنا منہ دیکھ سکتا ہے۔ جانے دو، جانے بھی دو، دوست! اگرچہ ہم نے ایسے آنسو کئی بار بہائے ہیں۔ لیکن ان آنسوؤں کے بعد ہم ایک نئی زندگی کا آغاز کریں گے!

امرت: آج سے ہم ایک نیا راستہ اختیار کریں گے۔

پروفیسر ٹھاکر: آج سے، ورتمان سے ہم کچھ بھی نہیں لے سکتے۔ بہاتے ہوئے آنسوؤں کا کرودھ ساتھ نہ ہوگا تو یہ آنسو بھی اکارتھ جائیں گے۔

بلانوش: آج ہم نئی کروٹ لیں گے۔ ہمارے اُفق پر ایک نیا ستارہ نمودار ہوگا۔ وہ "زندگی" آرہی ہے (وقفہ ــــ سب ایک انہماک کے ساتھ اُدھر دیکھنے لگتے ہیں)

پروفیسر ٹھاکر: وہ ایک لجاتی ہوئی سندری کی طرح پیچھے دیکھ رہی ہے۔

شنکر: (گھبرا کر) ارے! اگر اس نے آگے نہ دیکھا تو وہ گر پڑے گی۔ اس کی راہ میں پیسے ڈالر، رکاوٹیں ہیں، تختے، میوزک سٹینڈ، خوبصورت مرد! ....

صفدر: ہاں شنکر! وہ گر پڑے گی۔ اگر روشنی پیچھے کی طرف سے آئے تو سایہ ہمارے آگے بڑھتا ہے اور روشنی جتنی پیچھے ہو سایہ اتنا ہی لمبا ہوتا ہے....

بلانوش: روشنی سر پر ہونی چاہیئے!

شنکر: اپنے پاؤں کا سانپ نہیں دکھائی دے گا۔ روشنی آگے ہونی چاہیئے۔

پروفیسر ٹھاکر: میں سمجھتا ہوں تمہارا کیا مطلب ہے؟ لیکن میں کہتا ہوں روشنی آگے ہو تو پیچھے اپنا ہی سایہ بھوت بن کر ڈرانے لگتا ہے۔

صفدر: "زندگی" ہم تک آتے ہوئے گھبرا رہی ہے۔ اپنا بدن چرا رہی ہے؟

پروفیسر ٹھاکر: جیسے اپنے ہونے کی کتھا چاہتی ہے۔

بلانوش: لیکن اس کا زرق برق لباس!......

صفدر: وہ اپنے آپ کو چھپا نہیں سکتی، اگرچہ اس میں اتنی تیزی اور طراری نہیں جو کیبرے ناچ کے وقت تھی۔ شاید اس لئے کہ اُس وقت وہ زندگی کی فن کارانہ شکل تھی اور اب......

(زندگی قریب آجاتی ہے، وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا لبادہ تھامے ہوئے ہے)

زندگی، کیا میں آپ لوگوں کے پاس بیٹھ سکتی ہوں؟

بلانوش: (اُٹھ کر، جھکتے ہوئے) وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے!

صفدر: ہم زندگی کے ہی منتظر تھے۔ ہمارے اعصاب بالکل مردہ ہو چکے تھے (اپنی کرسی خالی کر دیتا ہے) آئیے، آپ میرے قریب بیٹھئے۔

امرت: آپ کچھ کھوئی کھوئی معلوم ہوتی ہیں......

زندگی: (گھبرا کر) نہیں۔ میں کھوئی ہوئی نہیں۔ لیکن یہ جگہ جہاں آپ بیٹھے ہیں، مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔ میں اس سرد منجمد کمرے میں نہیں آنا چاہتی تھی۔ لیکن میرے خدا نے زبردستی مجھے اِدھر دھکیل دیا ہے۔ اُسے یہ کھیل بے حد مرغوب ہے!

صفدر: ہاں، یہ کمرہ اسی قسم کا ہے لیکن (وقفہ) وہ کیبرے ناچ کس قدر خوبصورت تھا! زندگی کے آتے ہی تاریکی دُور ہو گئی تھی۔ سارا ہال جگمگا اُٹھا۔ جیسے اس دنیا میں ہُو کا عالم ہوگا۔ زندگی آئی، اُس نے حرکت کی، تو ساری دُنیا منور ہو گئی۔ نغمے گونج اُٹھے۔ نور و نغمے سے ہی دُنیا کی بنیاد ہے۔

بلانوش: زندگی کا بار بار پہلو بچانا، اور موت کے چنگل میں نہ آنا، خوب تھا!

پروفیسر ٹھاکر: اُس ستون کے پاس جب زندگی جھکی تو میں نے سمجھا موت نے آ ہی لیا ہے لیکن کس طرح ایک جست کے ساتھ زندگی موت کے بند ہوتے ہوئے بازوؤں سے نکل گئی......

زندگی: ہاں۔ لیکن اس ڈرامے کا انجام آپ لوگ بھول گئے ہیں۔ آپ آنکھیں جھپک رہے ہیں۔ جیسے ابھی تک یقین نہیں آتا کہ آخر موت نے زندگی کو رہا کیا تھا۔ (زہر خندے ——

کتنا دلچسپ دھوکا ہے کہ آپ اسے محض ایک کیبرے ناچ محض ایک کھیل سمجھ رہے ہیں!

شنکر، اگر اس کے بعد "زندگی" ہماری رفیق نہ ہوتی تو شاید ہم اسے ایک کھیل سے زیادہ سمجھتے۔ لیکن ہر روز سینکڑوں انسان مرتے ہیں اور اُن کی جگہ نئے پیدا ہوتے ہیں ـــ اور زندہ لوگوں کے رفیق ہو جاتے ہیں!

صفدر: اور پھر کوئی دُھن، کوئی لگن ـــــ ع

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق!

بلانوش: آپ کیا پئیں گی؟

زندگی: نہیں میں سب کچھ پی چکی ہوں۔ ۔ ۔ ۔ میں اب کچھ نہیں پینا چاہتی۔ اور پھر بار بند ہو چکا ہے۔

بلانوش: بار ہمارے لئے کھلا ہے۔ چوبیس گھنٹے کھلا ہے (آواز دیتے ہوئے) بیرہ!

زندگی: نہیں، میں کہتی ہوں، مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ اس بادہ خوری کی مشق اتنی بڑھ چکی ہے کہ پی کے نشہ اُتر جاتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

شنکر: آپ جانتی ہیں ہم ہندوستانی بڑے مہمان نواز ہیں۔ اتنی مدت سے ہم نے آپ کی میزبانی کا فخر حاصل کر رکھا ہے تو آج ۔ ۔ ۔ ۔

بلانوش: ایک ایک پیگ ہو جائے۔ خاتون "زندگی" کی صحت کا جام! اے بیرہ!

بیرہ: حضور۔

صفدر: کدھر مر گئے تھے اُلّو؟

بلانوش: پانچ وسکی ـــــ اور ایک پورٹ!

زندگی: ہندوستانی بڑے مہمان نواز ہیں۔ لیکن اتنی لمبی میزبانی سے تو مہمان بھی اُکتا جاتا ہے ایک بات اور، میں امریکن ہوں!

شنکر: خوب! آپ امریکن ہیں! ـــــ اور خاتون موت؟

زندگی: اس کیفے کا مینجر اور خاتون "موت!" دونوں برطانوی ہیں۔
صفدر: آج آپ پہلے کی طرح خوش نظر نہیں آ رہی ہیں۔ گویا ابھی آپ کی کسی کے ساتھ جھڑپ ہوئی ہے۔ مینجر سے تو آپ کے تعلقات خوشگوار ہیں نا!
پروفیسر ٹھاکر: بات یہ ہے ۔۔۔ آج شاید ٹڑکوں نے زیادہ دھیان نہیں دیا۔
زندگی: بلکہ یوں کہیئے کہ ضرورت سے زیادہ توجہ فرمائی ہے" زندگی کے لئے کون واویلا کر رہا تھا؟
امرت: (کھسیانہ ہو کر) ہم ہی لوگ تھے۔ بات یہ ہے محترمہ! ہمارے ملک میں جنسی بھوک بہت زیادہ ہے!
زندگی: (روکھی سی ہنسی کے ساتھ) جنسی بھوک! ..... جنسی بھوک! میں جہاں سنتی ہوں جنسی بھوک کے ہی قصے سنتی ہوں۔ یہی داستان پڑھتی ہوں!! یہ بیسویں صدی کے سب سے زیادہ دہرائے گئے الفاظ ہیں .....
شنکر: ان کے دہرانے میں کیا ہرج ہے؟ یہ حقیقت ہے کہ ہمارے ملک میں عورتیں مردوں کی نسبت کم ہیں اور پھر یہاں کے رسم و رواج ان کے میل جول کے خلاف ہیں۔
زندگی: کیا ان الفاظ کا اس بہتات سے استعمال ہونا ذلیل نہیں ہے کہ اسے اسی وقت ترک کر دیا جائے۔ اگر آپ اسے استعمال کئے بغیر نہیں رہ سکتے تو خدارا اس کے لئے کوئی اور ہم معنی الفاظ تلاش کر لیجئے! اس کے استعمال سے مجھے یوں محسوس ہوتا ہے۔ جیسے کوئی پتھر پر لوہا رگڑ رہا ہے!
پروفیسر ٹھاکر: آپ بالکل ٹھیک کہتی ہیں!
امرت: مجھے خاتون زندگی سے اتفاق نہیں ہے۔ ہم کھانے کا لفظ دن میں بیس مرتبہ استعمال کرتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس لفظ کو چھوڑ دیا جائے"
زندگی: غلط ہے ہم اس وقت نہیں تو اس کے کچھ دیر بعد کچھ نہ کچھ کھا لیتے ہیں اور اس کی رٹ نہیں لگاتے اور آپ کا کیا خیال ہے۔ امریکہ اور برطانیہ اور دوسرے مغربی ملکوں کے

مرد، عورت کے معاملے میں کم بھوکے واقع ہوئے ہیں؟ وہ بھی ایسے ہی بھوکوں کی طرح عورت کا پیچھا کرتے ہیں۔ وہاں بھی عورت کو آزادی نہیں۔ وہاں بھی اس پر ایسے ہی جبر کیا جاتا ہے....

تشنکر: معاف کیجیے۔ ہم آپ کا مطلب نہیں پا سکے۔

زندگی: مطلب ظاہر ہے دراصل آپ کی جنس کا مقام سر ہے اور وہ جگہ نہیں جہاں اسے ہونا چاہیئے!

(سب اُچھل پڑتے ہیں!)

پلانوش: خاتون "زندگی" کی بات قابلِ غور ہے۔

صفدر: آپ درست فرماتی ہیں۔ اللہ قسم! ایک افسانے کا موضوع ہے۔

تشنکر: خاموش! بات سننے دو۔ ساری دنیا سمٹ کر ایک افسانے تک محدود ہو گئی ہے کتنا ذلیل رویہ ہے۔ ہر ایک چیز سے افسانہ ڈھونڈنے کی کوشش کرنا اور زندگی، ہزار رنگ زندگی سے لطف نہ اٹھانا.....

صفدر: گویا خاتون کی چوٹ کا بدلہ مجھ سے لیا جا رہا ہے۔ میں اس پر بحث کر سکتا ہوں۔

پروفیسر ٹھاکر: تشنکر کے ساتھ بحث کر سکتے ہو؟

زندگی: تم سب کتابی باتیں کرتے ہو۔ سب بیکار ہو۔ ہوٹلوں میں بیٹھ کر شراب اور کافی پیتے ہو، اور جنس کے متعلق باتیں کرتے ہو۔ تم بالکل بے عمل ہو۔ بالکل بے عمل بیدار ملکوں میں ہوش سنبھالتے ہی ایک نوجوان کو آٹھ دس گھنٹے کے لئے ایک ورکشاپ میں دھکیل دیا جاتا ہے۔ وہاں وہ تیس بتیس نومڑے گولیوں کے بناتا ہے مشینوں کے لئے درجنوں ایکسل تیار کرتا ہے اور بوائلر کی حرارت میں کھڑا پگھلتا رہتا ہے۔ جب وہ باہر آتا ہے تو اُسے صرف ایک ہی بھوک ہوتی ہے پیٹ کی بھوک! دنیا میں اور پھر ہندوستان میں، ایک ہی بھوک مقدم ہے اور وہ ہے پیٹ کی بھوک۔ دوسری بھوک، پیٹ کی بھوک کے بعد بیکار آدمی کا مشغلہ ہے!

تشنکر: ہمیں "زندگی" کی سب باتوں سے اتفاق نہیں ہے، لیکن.....

صفدر: لیکن ہم ان کی باتوں سے عمل کا سبق ضرور حاصل کر سکتے ہیں۔

زندگی: تم ابھی بالکل نوعمر ہو۔ شراب نے جیسے میرے پھیپھڑوں کو چھلنی کر دیا ہے ایسے ہی تمہارے دل اور دماغ کو بھی ناکارہ بنا دے گی! تمہاری کمزور اولادیں تمہارے سامنے آکر تمہاری ہی مصیبت کا باعث ہوں گی۔ جاؤ، کام کرو، کرنے کے لئے کوئی بھی کام حقیر نہیں ہے۔

GO TO THE ANTS SUGGARDO

بلانوش: (اُٹھ کر) میں قسم کھاتا ہوں، آج یہ شراب کا جام میرا آخری جام ہوگا۔ "زندگی" کی صحت کا جام!

تشنکر: زندگی کی صحت کا جام! —— آخری جام!

امرت: اس شراب کے آخری گھونٹ کو حلق میں اتار لو۔ اور اس بے ہودہ نقل کو ختم کر دو۔

صفدر: مجھ میں رُوحِ عمل حلول کر گئی ہے۔ اس آخری گھونٹ کے بعد میں ایک عملی زندگی بسر کروں گا۔

تشنکر: اور یہ آخری لڑکی ہوگی جس کے ساتھ میں ناچوں گا "زندگی"

امرت: یہ آخری ریستوران ہوگا اور آخری کیبرے۔ اس کے بعد ہم عوام میں کام کریں گے۔ ہمارا سایہ بھی کسی گندی پبلک جگہ میں دکھائی نہیں دے گا۔

پروفیسر مٹھاکر: یہ میرا آخری قہقہہ ہوگا!

صفدر: (غصے میں) پروفیسر! ہم مذاق نہیں کر رہے ہیں۔ آج ہمارے لئے صُور پھونکا گیا ہے۔ شاید تمہیں اس کی آواز نہیں آرہی ہے۔ آج ہم سب اپنی اپنی قبروں سے اُٹھ کھڑے ہوں گے آج یہ ہماری آخری نیند ہوگی!

(شور —— جس میں لفظ "آخر" علیحدہ سنائی دیتا ہے)

مینجر: آرڈر۔ آرڈر —— (قریب آتے ہوئے) جنٹلمین میں کہتا ہوں آپ لوگ . . . . .

(باقی کی آواز شور میں گم ہو جاتی ہے)

مینجر: (غصے میں) خاتون زندگی رنگ میں چلی آئیے۔ آرکسٹرا انتظار کر رہا ہے۔

(طالب علموں سے) اور آپ لوگ ہرگز شور نہیں مچا سکتے ہیں۔

بلانوش: ہم شور مچائیں گے، شور ہمارا پیدائشی حق ہے۔ شور زندگی کا ثبوت ہے۔

منیجر: میں کہتا ہوں۔اگر اس سے زیادہ شور مچایا تو میں نقضِ امن کا اندیشہ گردان کر پولیس کو اطلاع دے دوں گا۔

امرت: پولیس کے لوگ ہمارے اپنے بھائی ہیں۔وہ ہم پہ ہاتھ نہیں اٹھائیں گے۔

منیجر: آپ اپنے بھائیوں کو نہیں جانتے ہیں۔ وہ قانون اور امن چین کے محافظ ہیں وہ ہز مجسٹی کی گورنمنٹ کے وفادار ملازم ہیں۔

پروفیسر مٹاکر: آپ ناراض نہ ہوجیئے منیجر صاحب! خاتون "زندگی" تشنکر کے ساتھ رنگ میں جارہی ہیں......

زندگی: میرے ساتھ آپ نے میری روح کو نہیں خرید لیا، منیجر! مجھے رنگ میں جانے سے انکار کی پوری آزادی ہے۔

منیجر: معاف کیجئے آپ کو معاہدے کی رُو سے رنگ میں جانا ہوگا۔ A ی ت موسیقی کے بعد آپ اُن لوگوں کے پاس نہیں ٹھہر سکتی ہیں۔

زندگی: اگر میں یہاں سے چلی جاؤں گی تو اس کیفے سے بھی چلی جاؤں گی۔

تشنکر: منیجر! کیا آپ نے خاتون "زندگی" کو PERSONA NON-GRATA قرار دیا ہے؟

صفدر: ہاہا ہا!!!

منیجر: (غصے سے) میرے نزدیک یہ کیفے ایسی سو خواتین سے زیادہ قیمتی ہے۔اگر آپ کو صرف خاتون کی ضرورت ہے تو میں "زندگی" کی رفیق کار کو بھیج سکتا ہوں۔

تشنکر: خاتون "زندگی"! چلئے، چلئے، ہم آج یہ آخری ناچ آپ کے ساتھ ناچیں گے۔

زندگی: میں رنگ میں چلی جاتی ہوں۔لیکن اس کیفے میں میرا یہ آخری دن ہوگا۔میں ایسی بے حرمتی برداشت نہیں کر سکتی چلئے!

(چلے جاتے ہیں۔ اس کے بعد ناچ دھن۔ چہ میگوئیاں، ہلکے ہلکے قہقہے، اور گلاسوں کے ٹکرانے کی آوازیں آتی ہیں)

بلانوش: "موت" آرہی ہے۔

صفدر: خاتون "زندگی" کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔ کیا وہ کچھ بوڑھی دکھائی نہیں دیتی؟

امرت: معلوم ہوتا ہے اس نے اپنے چہرے کی لکیروں کو کریم کے مساج سے درست کر رکھا ہے۔

بلانوش: وہ عمر رسیدہ عورت ہے اور تجربہ کار۔ جب خول جلد کے کناروں تک نہ آئے تو غازہ بھی پھٹ جاتا ہے ..... اور منہ پر چھائیاں دکھائی دینے لگتی ہیں۔

پروفیسر ٹھاکر: "زندگی" نے دنیا دیکھی ہے۔

بلانوش: ہاں اس نے زمانے کا سرد و گرم چکھا ہے۔

پروفیسر ٹھاکر: لیکن وہ ایک ہمدرد عورت ہے۔ وہ ہمارے کلچر کو یوں تباہ ہوتے دیکھ کر دکھی ہوتی ہے!

بلانوش: کسی زمانے میں وہ خوبصورت ہوگی۔ لیکن اب.....

امرت: اب تو اس کی شکل سے گھن آتی ہے۔

صفدر: وہ بہت پکے ہوئے پھل کی طرح ہے۔ آپ جانتے ہیں کوئی چیز بہت میٹھی ہو جائے تو آپ اس کا ایک لقمہ بھی نہیں کھا سکتے۔

بلانوش: "خاتون" موت" ابھی کمسن دکھائی دیتی ہے۔

امرت: شگفتہ اور خوبصورت! لیکن وہ "موت" ہے!

پروفیسر: اس نے اپنا ہڈ اور اپنے ناخن اتار دیئے ہیں۔ کالے لباس میں اس کا سفید چہرہ خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔

صفدر: "موت" بذاتِ خود کوئی خوف پیدا کرنے والی چیز نہیں۔ البتہ اس کا خیال گھناؤنا ہوتا ہے۔ فلسفیوں کا خیال ہے کہ موت کا خیال موت ہے۔ موت بذاتِ خود زندگی ہے۔

پروفیسر ٹھاکر: شاستروں میں لکھا ہے "مرتیو الیباد روازہ ہے جس سے گزر کر ہم نوجوان پاتے ہیں"

(خاتون اپنا ذکر سن کر متوجہ ہوتی ہے اور منیجر کا اشارہ پانے کے بعد ان لوگوں کی طرف چلی آتی ہے)

موت: کیا میں اِدھر آسکتی ہوں؟

امرت: (کچھ رُک کر) ..... آیئے..... خاتون موت......!

بلانوش: (اُٹھ کر) تشریف رکھئے (اپنی جگہ خالی کر دیتا ہے)

صفدر: ہا ہا!! موت نے کبھی آنے کی اجازت طلب کی ہے؟

موت: معلوم ہوتا ہے آپ زمانے کے ساتھ نہیں دوڑ رہے ہیں۔ بیسویں صدی کے سائنسدانوں نے دنیا کی کایا پلٹ دی ہے موت کو اجازت لینا سیکھنا چاہیئے۔ کیونکہ اور چند سالوں تک وہ اُن لوگوں کی اجازت کے بغیر نہیں آسکے گی جیسے... جیسے اب زندگی اجازت لیکر آتی ہے!

بلانوش: ہو ہو ہو!!!

امرت: THATS BRILLIANT

پروفیسر مٹاکر: CLEVER TOO!

موت: (جاری رکھتے ہوئے) آج زندگی ہستی کے دروازے پر کھڑی کانپتی ہے محبت جوش اور غصّے کے ساتھ! لیکن ہستی چند جھلیاں اس کے سامنے تان دیتی ہے اور اس کے وجود میں آنے کی خواہش کو پورا نہیں ہونے دیتی۔ اور موت......

بلانوش: خاتون «موت»، «زندگی» سے زیادہ عقلمند ہے...... ان کی باتوں میں سادگی کی نسبت عیاری اور پرکاری زیادہ ہے ("موت" کا ہاتھ تھام لیتا ہے) آپ کے ہاتھ کس قدر نرم ہیں محترمہ!

صفدر: شیریں کا عشق فرہاد کا ہنر ہے۔ شاید تم ان ہاتھوں کے گداز کا اندازہ نہیں لگا سکتے!

امرت: سانپ کس قدر سُندر ہوتا ہے، لیکن اُس کے سر میں زہر ہے۔

پروفیسر مٹاکر: سوندریہ شاستر کے وہ یار تھی اس زہر کی پروا نہیں کرتے۔

بلانوش: شراب کا جام وہ ہے جو تمہیں اس دنیا کے رنج اور غم سے آزاد کر دے۔ ایک اور جام کے بغیر مجھے محسوس ہوتا ہے،

بہار بے پیر جام دیا رگنہ رہی ہے!

(سب داد دیتے ہیں)

موت: میں آپ کے لئے وسکی، اور اپنے لئے ایک پورٹ منگوا سکتی ہوں؟

امرت: لیکن.......

(سب پر افسردگی چھا جاتی ہے)

پروفیسر ٹھاکر: ہم سوگند لے چکے ہیں۔

صفدر: (رُک کر) .... خاتون .... ہمیں افسوس ہے۔ ہم آج قسم کھا چکے ہیں کہ شراب کا یہ جام ہمارا آخری جام ہوگا۔ اسے ہم پی چکے ہیں۔

بلانوش: آپ اپنے لئے پورٹ منگوا سکتی ہیں۔

موت: ایک اور جام کے بغیر آپ لوگوں کی رگیں مُردہ ہو رہی ہیں۔ ان ہاتھوں سے دیئے ہوئے جام سے کبھی کسی نے انکار نہیں کیا۔

بلانوش: لیکن..... مادام!...... (تشنکہ کی طرف دیکھتا ہے) تشنکہ "زندگی" کے ساتھ ناچ رہا ہے...... اور ہم......

صفدر: وہ اچھا ناچتا ہے —— میرا خیال تھا اُس کا پاؤں زندگی کے پاؤں پر پڑ جائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا......... اور ہمارا عہد تھا کہ "زندگی" آخری لڑکی ہوگی!

امرت: یہ آخری کینٹے ہوگا۔ اور آخری کیبرے ——

موت: شاید یہ تمہارا آخری بہک جھوگی!

بلانوش: میں کچھ کہنا چاہتا ہوں —— (خلا میں گھورتے ہوئے) میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔

صفدر: میں نہیں جانتا، میں کچھ نہیں جانتا.....

بلانوش: (اُٹھ کر۔ اور جوش سے) ہم اور شراب منگوا سکتے ہیں۔ ہم خاتون "موت" کی رفاقت

ہیں ناچ سکتے ہیں۔ ہمیں اپنی قسم توڑنے کی نوبت نہیں آئے گی۔

صفدر: (خوش ہو کر) وہ کیسے بلانوش؟

بلانوش: ہم نے کہا تھا آج سے ہم ان سب چیزوں کو چھوڑ دیں گے۔ آج سے! جس وقت ہم نے یہ قسم لی تھی۔ اُس وقت گھڑی بارہ بجا چکی تھی۔ بارہ بجے کے بعد دوسرا دن شروع ہوتا ہے اس لئے ہمارا آج کا دن ختم ہونے میں ابھی تیئیس گھنٹے باقی ہیں۔ اے بیرہ! پانچ وسکی اور ایک پورٹ لاؤ۔

صفدر: خوب، گویا ابھی پورا ایک دن باقی ہے!

امرت: (مسرت کے عالم میں) خاتون...... ادھر بیٹھ جایئے۔

صفدر: شنکر کو بلا لو۔ "زندگی" کو آواز دو!

بلانوش: ہمیں "موت" چاہیئے "زندگی" بہت بوڑھی ہے۔ اے بیرہ! پانچ وسکی اور ایک پورٹ کدھر مر گئے تھے، گدھے؟——

(سب مل کر ہنستے ہیں "موت" کی خوف ناک ہنسی سب سے زیادہ بلند ہے—پردہ)

رخشندہ

(کردار، جس ترتیب سے وہ کھیل میں وارد ہوتے ہیں)

رخشندہ: بائیس تیئس برس کی ایک پڑھی لکھی، اعصاب زدہ لڑکی

آپا: رخشندہ کی آپا

دولہا بھائی: رخشندہ کے دولہا بھائی

بھابی: رخشندہ کی بھابی

بھائی جان: رخشندہ کے بھائی جان

ننھے میاں: رخشندہ کا چھوٹا بھائی۔

اماں جان: رخشندہ کی اماں جان

"آپ": رخشندہ کے جسم اور روح کے مالک

پہلا منظر

ایک پرانی وضع کے ٹھاٹ دار مکان کا بیرونی حصّہ

ایک گیلری سی اس مکان کے اردگرد دوڑ گئی ہے جس کا ایک حصّہ سامنے نظر آرہا ہے اس گیلری پر ٹین کی ایک چھت ہے جو چوڑائی میں گیلری جتنی ہے چھت بارش کو روکنے کے لئے کافی ہے بشرطیکہ بارش ترچھی نہ ہو۔

اس وقت سخت بارش ہو رہی ہے اور بجلی کڑک رہی ہے چونکہ ہوا زوروں پر ہے اس لئے گیلری پر سے گزرنے والا بھیگ جاتا ہے۔ پردہ اُٹھنے کے تھوڑی دیر بعد رخشندہ، دیوار کے ساتھ لگی ہوئی سامنے نظر آنے والے دروازے کی طرف بڑھتی ہے۔۔۔ اگر وہ کھڑکی اور دروازے کے درمیان شمعدان نما بڑھاؤ کو پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھاتی ہے تو اس کی شلوار کے پائنچے پکڑتی ہے تو شمعدان ہاتھ میں نہیں آتا۔ اور وہ دیوار کے ساتھ ساتھ نہیں جا سکتی۔

رخشندہ ـــــ تھوڑے رکھ رکھاؤ کے بعد مزاحمت نہیں کرتی اور اپنے آپ کو بھیگنے دیتی ہے۔ ساٹن کی شلوار، اور آرگنڈی کی قمیص اُس کے دُبلے پتلے اور روح ایسے لطیف جسم کے ساتھ چپک جاتی ہے۔ رخشندہ کے بال بکھرے ہوئے ہیں۔ بجلی چمکتی ہے تو اس کے سفید چہرے پر سر کے بھورے بال یوں معلوم ہوتے ہیں جیسے دیئے کی لَو سے کرنیں پھوٹ رہی ہیں ـــــ وہ رخشندہ ہے!

دروازے کے پاس پہنچ کر رخشندہ آہستہ سے دروازہ کھٹکھٹاتی ہے لیکن اندر سے کوئی جواب نہیں ملتا۔ ڈرتے ڈرتے وہ پھر دروازے پر ہاتھ مارتی ہے ـــــ

رخشندہ: آپا! آپا!۔۔۔۔ (التجا سے) آپی! کھول دو نا کواڑ۔ دیکھو واسطہ دیتی ہوں بڑوں کا۔

آپا جان: (اندر سے) کون؟ رخشندہ ہے باہر؟ (دروازہ کھولتے ہوئے) رخشی! اسٹرن کہیں کی اتنی رات گئے کدھر آدھمکیں تم ——؟

رخشندہ: تم کہو گی وہی پرانی عادت..... آپا! لیکن دیکھو، کس قدر اندھیری رات ہے۔ بجلی کڑک رہی ہے۔ حوصلے کے پَر جلے جاتے ہیں۔ اور "وہ آپ" ابھی تک نہیں آئے اس وقت بارہ یا ایک بجا ہوگا۔ اللہ جانے کدھر بیٹھ رہے ہیں؟

(پھر رعد کی گرج اور بارش کی آواز سنائی دیتی ہے)

آپا جان: ظاہر ہے، کلب سے واپسی پر بارش نے آلیا ہوگا۔ اُف کتنی بارش ہے، سامنے مکان کی سلیٹ والی چھت پر اولوں کی آواز..... کتنی بھیانک معلوم ہوتی ہے (سوچ کر) ..... لیکن کیا عجب ہے جو سلامت بھائی سکول کے برآمدے میں چھینٹے سے بچنے کے لئے ٹھہر گئے ہوں، کیا پہن رکھا تھا انہوں نے؟

رخشندہ: وہی ان کی دل پسند کالی پتلون تھی اور اوپر بشرٹ جلنے سے پہلے بہت دیر تک آئینہ کے سامنے کھڑے بال بناتے رہے۔ میں کہتی ہوں آئینہ بھی تنگ آگیا ہوگا ان سے!

آپا جان: ہاں تو سلامت کیا مجھ سے چھپے ہوتے ہیں۔ ان سے یہ امید نہ رکھو کہ کپڑوں کی پروانہ کرتے ہوئے گھر چلے آئیں گے۔

رخشندہ: (بجلی کی کڑک سن کر) آپا! میں یہ سب باتیں نہیں یہاں کھڑا لکھنے کی غرض سے کہہ رہی ہوں، اس بجلی کی خوفناک آواز سے میرا قلب الٹ جاتا ہے اور آپا! دولہا بھائی نے یہ کیا نحوست پھیلا رکھی ہے۔ جو چھ گھنٹے سے سو رہے ہیں؟

آپا جان: سو کب رہے ہیں؟ آپ سوتے ہیں نہ مجھے سونے دیتے ہیں، ان کی طبیعت کا تمہیں پتہ ہے نا دماغ میں خیال پیدا ہو گیا کہ شطرنج کھیلیں گے۔ اب اور اسی وقت میں ہی ذری آنکھ جھپکنے لگی تھی کہ موئے شطرنج میں گھسیٹ لیا مجھے۔

رخشندہ: آپا! تم قیاس کر سکتی ہو۔ وہ کیوں نہیں آئے؟ یہ ہاتھ میرے کلیجے پر رکھ کر دیکھو کس طرح
کی دھمک پیدا ہو رہی ہے!

آپا جان: رخشی! تم ناحق گھبرا رہی ہو، ناحق۔ ابھی آئیں گے سلامت بھائی تو بڑی ہنسی ہوگی۔
پھر آنکھیں چار نہ کی جائیں گی تم سے۔

رخشندہ: آپا جان! واپس جانے کی کوشش کیوں کر رہی ہو؟ کیا تمہیں اپنی خوف زدہ بہن کا ذرا
بھی خیال نہیں۔ میری مصیبت کا ذرا بھی اندازہ نہیں؟ تمہیں ادھر مشغول رکھنے کے لئے
دولہا بھائی سے اجازت طلب کر لیتی ہوں، تم گھڑی دو گھڑی میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ جب
میرا جی سنبھل جائے تو چلی ہی جانا۔

آپا جان: ہائے ہائے۔ اتنا بھی کیا ہے نتھی؟

رخشندہ: (محبت سے) آپی تم نہیں جانتیں میں ——— کتنا سہمی جا رہی ہوں مجھے یوں محسوس
ہوتا ہے جیسے (سوچتے ہوئے) دنیا میں، میں ہی ایک عورت ہوں جس کا خاوند ابھی تک
واپس نہیں آیا۔ بس ہی ایک روح سرگرداں ہوں جو صدیوں سے سائے ایسے سُبک
اور تیز گام قدموں کے پیچھے دیوانہ وار دوڑ رہی ہے جو اپنے گوہرِ مقصود کی تلاش
میں ازل سے آوارہ ہے.... میں نے کتنی صحرا نوردی کی۔ ہے کتنے کوہ دشت
ملے ہیں! چٹانوں اور کانٹوں کی نوکوں کے چلنے ہوتے بوسے میرے قدموں پر
عادی ہو گئے ہیں، آپا یہ دیکھو میرے پاؤں!....

آپا جان: اُف! یہ گودنے سے کیا ہیں نتھی......؟

رخشندہ: وہ.... وہ دیکھو.... وہ..... (خلا میں دیکھنے لگتی ہے)

آپا جان: وہ۔ (اوپر دیکھتے ہوئے) وہ کیا ہے رخشی!

رخشندہ: آپا کئی موٹروں کے پہیئے اور دھرے میرے ذہن میں گھوم رہے ہیں، کانوں میں گھر ر
گھرر کی ایک مسلسل آواز سنائی دیتی ہے۔ جو آناً فاناً ایک دھماکہ پر ختم ہو جاتی ہے۔

وہ دیکھو کیا تمہیں کچھ نہیں دکھائی دیتا؟

آپا جان: کیا ہے.... مجھے تو کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔

رخشندہ: ہاں وہ دیکھو۔ ہسپتال کی آیوڈین میں بسی ہوئی پیلی پیلی پٹیاں عزرائیل کی زرد بے خون انگلیوں پر چکر لگا رہی ہیں۔ تم جانتی ہو پارسال چچا فیاض کے چوٹ آئی تھی تو ان کی ٹانگ پر پلستر جما کر اسے لکڑی کی ایک تختی کے ساتھ باندھ دیا تھا اور وہ کس درد و کرب سے کراہتے تھے ان کی آنکھوں کی دہشت ہمیشہ کے لئے میرے دل پر نقش ہو گئی ہے اور مجھے اس سے کتنا ڈر معلوم ہوتا ہے...؟

(بادل کی گرج سنائی دیتی ہے) آپا! اچھی مجھے اپنے دامن میں چھپالو۔

آپا جان: (روکھی ہنسی ہنستے ہوئے) میرے دامن میں چھپو گی؟ میرا دامن اتنا مختصر ہے کہ....

رخشندہ: (تاسف سے) اوہ! تمہارا دامن تمہاری رخشندہ پر بھی تنگ ہو گیا ہے آپا! یہ مجھے معلوم نہ تھا.... شادی کے بعد یتیم اور بے کس بہن بھائیوں کے ساتھ ایسا سلوک کس قدر افسوسناک ہے کیا اس دامن میں نخوا اور نازی ہی سما سکتے ہیں یا.... (کچھ کہنا چاہتی ہے لیکن شرم مانع ہے)....

آپا جان: (برافروختہ) آخر یہ کیا ہے آدھی رات کے وقت؟ تم تو دیوانی ہو رہی ہو سب سو رہے ہیں۔ تو کیا بدتمیزی ہے کہ ذرا سی خلاف توقع مرد کے آنے میں دیر ہوئی تو یوں تُنک گئیں۔

رخشندہ: (آواز میں رقت ہے) تمیز! (آواز میں لغزش ہے) اوہ تمیز! کبھی تم لوگ میری تمیز اور سلیقہ کی داد دیا کرتے تھے، کبھی میری حیا کا چرچہ ہوا کرتا تھا جب کسی کا بچانے والا ہاتھ ہٹ جائے تو عورت سے سب عیب منسوب کر دیئے جاتے ہیں آپا تم جانتی ہو۔ جب ابّا اللہ کو پیارے ہوئے تو رشتہ داروں نے کونسی تہمتیں تھیں جو اماں جان پہ نہ لگائیں؟ اگر وہ گھر سے نکلی ہیں تو ان پر انگلیاں اٹھی ہیں۔ اگر اندر رہی ہیں تو آوازے کسے گئے ہیں اب جن حالات میں میں ہوں ان میں تمیز سے واسطہ؟ آپا میری تمیز، میری حیا، میری عقل، میرے سہاگ کی باندی ہے!

آپا جان: تم حیا کا دامن چھوڑ رہی ہو رخشی!

رخشندہ: آپا جان آج اس مختصر سی بیوگی پہ مجھے اپنی بیوہ ماں کے دکھ کا احساس ہوتا ہے تم

کیوں نہیں سو جاتیں۔ اماں"؟ ہم اپنی نادانی میں اسے ہمیشہ کہا کرتی تھیں لیکن وہ ایک ٹک چھت کی طرف جہاں سے مالی نے شہد کا چھتہ اتارا تھا، دیکھتی جاتیں اور .....

آپا جان: تم بھی عجیب ہو جو بیوگی کا آزادانہ طور پر ذکر کر رہی ہو حالانکہ عورتیں اس کے تذکرہ تک کو برا سمجھتی ہیں، اور اماں جان اپنی دائمی بیوگی پہ اتنا واویلا نہیں کرتیں جتنا تم .....

رخشندہ: تم نے یہ سوچنے کی زحمت بھی گوارا کی ہے آپا کہ ان کی خاموشی کتنی پُر شور ہے! اُن کے کپڑوں کی ماتم آلود سادگی میں ہزاروں بیواؤں کا سوگ دکھائی دیتا ہے! اُن کی پتھرائی ہوئی نظروں میں ان سینکڑوں عورتوں کی کاہش اور کسک ہے جن کے خاوند گھر نہیں آئے ان سب باتوں کے باوجود ان کے دل کی حدیث میرے قصے سے علاحدہ ہے اماں جان نے دنیا کا اونچ نیچ دیکھ لیا ہے اور سنو اس نے اپنے بہو، بیٹے، بیٹی اور داماد میں اپنا سہاگ پالیا ہے اور پھر (وقفہ) ——— پھر ——— بادل کی گرج سنائی دیتی ہے۔

آپا جان: اور پھر کیا؟

رخشندہ: (ڈر کر) میرے اور قریب ہو جاؤ آپا، پھر اماں جان نے اپنے دل کو سمجھا دیا ہے کہ ابا جان جنت سے واپس نہیں آنے کے۔ لیکن میں ان کی طرح نہیں سوچ سکتی میری ماں کا خاوند فانی تھا لیکن میرا خاوند غیر فانی ہے!

آپا جان: (گھبرا کر) رخشندہ یہ کیا بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو؟

رخشندہ: میں دیوانی تو نہیں آپا!

آپا جان: دیوانہ اپنے زعم میں ....

رخشندہ: میں ٹھیک کہہ رہی ہوں آپا، روح کا خاوند کبھی نہیں مرتا۔ (ایک مریض کی سی ہنسی لیکن ایک لخت جیسے اس نے نبض کو پالیا ہو) لیکن ہمیشہ اس کے آگے آگے بھاگتا رہتا ہے جس طرح ازل سے چاند سورج کا تعاقب کر رہا ہے۔ لیکن ہمیشہ سے برابر کا فاصلہ قائم ہے۔ اس طرح روح ازل سے اپنے محبوب کو پکڑنے کے لئے عالم ہستی میں

سرگرداں ہے لیکن اسے پکڑ نہیں پاتی،

(دور سے دولہا بھائی کی آواز آتی ہے دولہا بھائی کا اصول ہے۔ خوش باش
ولے کہ زندگانی این است)

دولہا بھائی: بیوی! آپ آئیں گی یا پانسہ اُلٹ دوں؟

آپا جان: میں کہتی ہوں ذری ادھر آئیے لپک کے . . . .

دولہا بھائی: ادھر کیا ہے؟

آپا جان: سلامت بھائی نہیں آئے تو رخشی باؤلی ہوئی جا رہی ہے۔

دولہا بھائی: ہار رہی ہو نہ! اب جب کہ میرا حسن نخر ہوا جاتا ہے تو آپ کیا چپکے سے بیٹھ رہی ہیں وہاں!

آپا جان: میں کہہ رہی ہوں سلامت بھائی نہیں آئے ابھی تک۔

دولہا بھائی: رخشی کو کہو سورۃ حمد پڑھے آکر حکم ہی تو صادر کرے گا۔ وہ ہمیشہ کی طرح آئیگا
وقت پر! (کچھ قریب آ جاتے ہیں)

رخشندہ: وقت کب کا ہو چکا دولہا بھائی۔

دولہا بھائی: ایں؟ ایک بج چکا ہے! (ایک جمائی لے کر) تو کیا مضائقہ ہے باہر دیکھو۔ موسم
بھی تو کتنا خراب ہے کہیں بارش کے ختم جانے کا انتظار کر رہا ہو گا۔

آپا جان: ڈر یہی ہے کہ کہیں موٹر تانگہ کی لپیٹ میں نہ آ گئے ہوں سلاں یا یا آج کل موٹریں
بھی تو کتّے بلیوں کی طرح دوڑتی پھرتی ہیں۔

دولہا بھائی: اسے جانے بھی دو تم نے سلامت میاں کو بچہ سمجھ رکھا ہے؟ کان کاٹتا ہے
وہ بڑے بڑوں کے!

رخشندہ: کان کاٹتے ہوں گے لیکن حادثے کو عقل سے نہیں تقدیر سے واسطہ ہوتا ہے دولہا بھائی!

دولہا بھائی: پھر جو آدمی تقدیر کو مانتے ہیں، انہیں تو تسلیم و رضا کی عادت ڈالنا اور خوش
رہنا چاہیئے (بات کا رُخ پلٹ کر) اور میں سوچتا ہوں۔ سلامت کس قدر خوش قسمت

ہے (مزالے کر) رخشندہ ایسی لڑکی اس کا انتظار کرتی ہے! یہ دیکھو رخشندہ یہ بھی تمہاری ہی بہن ہے نا کبھی دس بجے بھی آؤں تو آرام سے پڑی سو رہی ہوتی ہیں!

آپا جان: (خفا ہو کر) میں نے سمجھ لیا ہے ناکہ آپ کے وقت کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے بقول حضرت داغ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے) اور رخشی سلامت بھائی کے متعلق جانتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ کلب میں جاتے ہیں اور اُس کے بعد شرانجلتے قہوہ خانے میں جھک نہیں مارتے پھرتے سیدھے ہی گھر کا رُخ کرتے ہیں۔

دولہا بھائی: سنتی ہو رخشندہ؟ سورج غروب ہونے کے بعد کبھی گھر سے باہر نہیں رہا۔ لیکن آپ اُس وقت بھی نیند میں مدہوش ہوتی ہیں اور پھر پہلے پہر کی نیند! جگانا دسوتے ہوئے شیر کو ہاتھ لگانا ہے۔ میں کہتا ہوں اگر کہیں حادثہ ہو جائے تو تین دن کے بعد میری نعش ہسپتال کے مُردہ خانے سے ملے۔

آپا جان: (چِڑ کر) چپ رہیئے آپ کو بات کرنے کا بھی سلیقہ نہیں۔ ہسپتال کے مُردہ خانے کا ذکر کرتے ہوئے کیا آپ رخشندہ کے زخم پر پھاہا رکھ رہے ہیں؟

دولہا بھائی: رخشندہ! لڑکی! تم مطلق فکر نہ کرو، وہ آتا ہی ہوگا، ذرا بارش تو تھم جانے دو اور جو انتظار کرنا ہی ٹھہرا تو آؤ! ایک بازی شطرنج کی لگالیں (چلتے ہیں)

آپا جان: چلو گی؟

رخشندہ: ہوں! شطرنج!

آپا جان: آخر دل جو بہلانا ہوا،

رخشندہ: کیا ایسے میں مجھے شطرنج کی چالیں سوجھیں گی۔

آپا جان: (خفا ہو کر) تم ایسی نادان چھوکریاں ہی مردوں کو خراب کرتی ہیں..... اور خود بھی خراب ہوتی ہیں۔

رخشندہ: اور اپنی خرابی میں کتنا خوش ہوتی ہیں آپا! خدا دولہا بھائی کو خواجہ خضر کی عمر عطا

کرے اور تمہاری گود ہمیشہ ہری رہے۔ جس کی گود میں بچے اور جس کے پہلو میں اس کا چاہنے والا ہو۔ اُسے کیا پڑی ہے جو دوسرے کے غم کو اپنا غم سمجھے "جس کو نہ ہوئے بوائی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ کیا جانے پیر پرائی۔

آپا جان: تمہاری نگاہ میں میرے بچے اور میرا شوہر ہو۔ رخشندہ! کیا تمہیں شرم نہیں آتی۔ جو اپنے حسد و بغض کا کھلے بندوں اظہار کرنے لگو؟ یہ تمہاری وجہ سے ہے کہ وہ میری طرف سے بے اعتنا رہتے ہیں۔

رخشندہ: میری وجہ سے؟

آپا جان: ارے توبہ توبہ! خدائی بھر میں کوئی تم ایسی باتیں سُن کر صبر اور سکون کا دامن تھامے رکھے گا؟ میں تو تمہیں اپنی بہن ہی سمجھتی تھی مگر تم تو خاصی سوت ہو!

رخشندہ: (چیخ مار کر) آپا!

آپا جان: چل اپنے کمرے کے اندر جل کے سو رہ تیرے پاگل پنے کا ایک ہی جواب ہے۔

(زور سے دروازہ بند کر دیتی ہے)

رخشندہ: (جیسے یقین نہیں آتا) دروازہ بند کر دیا! مجھ پر میری اپنی بہن نے دروازہ بند کر دیا!

(پردہ)

دوسرا منظر

زخشندہ کے بھائی جان اور ان کی بھابی کا کمرہ

کمرے میں مدھم سی روشنی ہے جس میں، کمرے کے عین درمیان، دو پلنگ دکھائی دیتے ہیں ایک پلنگ پر بھائی جان بیٹھے گھٹنوں تک دوشالہ اوڑھے سگریٹ پی رہے ہیں۔ پاس ہی ڈائمنڈ کٹ کے ایک خوبصورت سے گلاس میں ایک رنگین سی چیز پڑی ہے ..... بیگم (زخشندہ کی بھابی) سے باتیں کرتے ہوئے وہ گلاس اٹھاکر ایک گھونٹ پی لیتے ہیں

باہر بارش کی آواز اور بادل کی گرج برابر سنائی دے رہی ہے کچھ دیر بعد زخشندہ کی بھابی اپنے میاں کی بغل سے اُٹھ کر دروازے کے قریب پہنچتی نظر آتی ہے۔ پہلے وہ روشندان کی رسی کو کھینچتی ہے تاکہ پانی کی بوچھاڑ کمرے میں گر کر قالینوں کو خراب نہ کر دے۔ پھر وہ دروازے کے پاس کھڑکی کی نچلی چٹخنی کو بھی بند کر دیتی ہے اور دروازوں میں کا غذ ڈال دیتی ہے اس کے بعد وہ پلنگ کے دوسرے طرف بیٹھ جاتی ہے اور دوشالہ اپنے گھٹنوں تک کھینچ لیتی ہے۔

ان دونوں میاں بیوی کی زندگی کا یہ نہایت پر کیف لمحہ ہے۔ باہر بارش ہے سردی ہے اور ان دونوں کو عشق و محبت کی گرمی میسر ہے انہیں کچھ اس قسم کا حظ حاصل ہو رہا ہے جیسے سردیوں کی صبح چائے کے عادی شخص کو چائے کا ایک گرم پیالہ لینے سے حاصل ہوتا ہے اور پھر اگر ایک سگریٹ بھی مل جائے تو.....

بھابی: کتنی خوفناک رات ہے۔ طوفان بڑھتا ہی جا رہا ہے!

بھائی جان: درختوں کے دیو وحشت ناک سیٹیاں بجا رہے ہیں۔ جیسے خوفناک گھنے جنگل میں رہزن کسی مسافر کو دیکھ کر اشارے کرتے ہیں۔

بھابی کالے بادلوں میں بجلی کی کوند کتنی بھیانک معلوم ہوتی ہے۔ جانور بے چارے اپنے

گھونسلوں میں کیا کرتے ہوں گے؟ ہماری چھت کی کارنس پر جو کٹھ پھوڑا رہتا ہے۔۔۔

بھائی جان: یہ ولبلے رہے پروں سے نشیمن کو رات بھر۔۔۔۔ کہ کیا کہہ سکتے ہیں بے چارے؟

بھابی: ہمارا بھی ننھا سا گھونسلا۔۔۔۔۔

بھائی جان: کتنا اچھا ہے!۔۔۔۔ جس میں ہم اور تم زندگی کے حسین لمحے کاٹ رہے ہیں؛ زندگی کے حسین لمحے وہی ہوتے ہیں، جب باہر طوفان ہو حالات ناموافق ہوں، لیکن محبت کرنے والے دل ان سب باتوں سے بے خبر اپنی ننھی سی دنیا میں مگن ہوں۔۔۔۔۔

بھابی: اور اس لمحے چاہیے نشیمن پر بجلی گر جائے۔۔۔ آہ۔۔۔ کس قدر موزوں ترین خاتمہ ہے!

(دروازہ پر دستک سنائی دیتی ہے)

بھابی: کون ہے؟

بھائی جان: بجلی ــــــ

بھابی: لیکن ایسی بجلی جو ہمارا خاتمہ نہ کر سکے گی۔

رخشندہ: کی آواز۔ بھائی جان؟۔۔۔۔۔ بھائی جان!

بھائی جان: کون ہے اس وقت! (رک کر) رخشی معلوم ہوتی ہے! لیکن یہ کیا بوالعجبی ہے کہ رات کے تیسرے پہر۔۔۔۔۔؟۔۔۔۔۔

بھابی: بے وقت کی شہنائی!ــــ

بھائی جان: (ایک طویل سرد آہ بھرتے ہوئے) اس کی زندگی بھی سوتے جاگتے کا ایک ناتمام افسانہ ہے

بھابی: (اظہار ناپسندیدگی میں) چاہے بہن ہی ہے آپ کی ' لیکن ایک بات میں ضرور کہوں گی کہ اسے وقت کی تمیز نہیں۔ اس بھرے گھر میں جہاں بڑے بھی ہیں اور چھوٹے بھی ہیں اکیلے بیٹھنے کا موقع ہی کب ملتا ہے میں نے آزما کر دیکھا ہے جب ہم دونوں اکیلے ہوتے ہیں تو ضرور آدھمکتی ہے۔

بھائی جان: بڑی عادت ہے لیکن۔۔۔۔

بھابی: ہاں۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔ آپ تو اس کا جواز تلاش کر ہی لیں گے۔ دنیا میں کوئی ایسی بات ہے

بھی جس کا جواز نہ پیش کیا جا سکے۔ میرے بھی بھائی ہیں لیکن کیا مجال جو میری پاسداری کریں
ان کے نزدیک ہمیشہ وہی سچ ہوتا ہے جو بھابی جان کہتی ہیں اس لحاظ سے رخشندہ واقعی
رخشندہ اختر ہے ـــــ!

بھائی جان: میں محض جواز نہیں پیدا کر رہا!

رخشندہ کی آواز: (زیادہ مضطرب) بھائی جان! بھابی! خدا کے لئے دروازہ کھول دیجئے۔

بھائی جان: رخشندہ کی آواز میں غیر معمولی گھبراہٹ نہیں سنائی دیتی کیا؟

بھابی: اس کی آواز گھبراہٹ سے خالی کب ہوتی ہے؟ وہ ہمیشہ بات یوں شروع کرتی ہے جیسے کوئی
حادثہ رونما ہو گیا ہے اس کی کھوئی کھوئی نگاہوں سے ہمیشہ یہ پتہ چلتا ہے کہ اس نے ایک
عظیم الشان سلطنت کھو دی ہے۔ ایسی سلطنت جو کبھی اس کی ملکیت نہ تھی.....

بھائی جان: فصاحت کے دفتر پھر کھول دینا۔ دیکھو تو سہی ماجرا کیا ہے؟ دروازہ کھولو۔ (دروازے تک
پہنچتے ہوئے، بھابی اس انداز سے پوچھتی ہیں گویا انہوں نے دستک کو پہلی بار سن پایا ہے۔ رخشندہ
کی آواز آپا جان کے سلوک کی وجہ سے زیادہ ہی معذرت سے پُر اور صدمہ زدہ ہو گئی ہے)

بھابی: کون ہے.....؟ (دروازہ کھولتی ہے)

رخشندہ: میں ہوں ایک بھک منگی۔

بھابی: بھک منگی؟

رخشندہ: ہاں میں تم لوگوں سے بھیک مانگنے آئی ہوں بھابی۔ تم فقط میری بھابی ہی نہیں بڑی بہن بھی۔
ہونے کی وجہ سے تم میری چھوٹی بہن بھی ہو۔ بہت سی باتیں جو میں اماں جان سے نہیں کر سکتی
وہ میں نے تمہارے ساتھ کی ہیں۔ میرے کئی راز تمہارے کانوں کے گوشوارے ہیں۔

بھابی: کیا بات ہے۔ آپا! خدا کے لئے مجھے پہیلیاں نہ بجھواؤ۔ میں بھی تمہاری طرح گھبرا رہی ہوں۔

رخشندہ: تم..... تم میری مصیبت کا اندازہ لگا سکتی ہو۔ بھائی جان کو دیر سے گھر آنے کی عادت ہے
بھابی جب بھائی جان نہیں آتے تو کیا تمہاری نگاہیں دروازے کی طرف دیکھتے دیکھتے پتھرا نہ

بھائی جان: یہ سب اس لئے ہے کہ تم نے اپنی بحث طرازی میں دروازہ جلدی سے نہیں کھولا۔

رخشندہ: وہ پردے ہی میں رہے ہیں۔ وہ پردے کی تہوں میں چھپ گئے ہوں گے (بھاگتی ہے)
لیکن ان بازوؤں میں ہوا کے سوا کچھ بھی نہیں۔ وہ یہیں تھے۔ لیکن دروازہ کھلتے ہی کہیں
غائب ہو گئے ہیں۔ میں مر کر ان پردوں کو ہمیشہ ہلاتی رہوں گی۔ ان دروازوں کے
اندر باہر ہمیشہ کے لئے گھومتی رہ جاؤں گی۔

بھائی جان: (ڈر کر) رخشی۔ رخشی۔

بھابی: میں کہتا ہوں، انہیں جھنجوڑیئے۔ ۔ ۔ ۔ اور ۔ ۔ ۔ !

رخشندہ: راستہ کدھر ہے؟ تم لوگ کیوں بحر ظلمات میں غوطہ کھا رہے ہو۔ بتی جلاؤ۔

بھابی: بتی جل رہی ہے۔

بھائی جان: بتی جل رہی ہے (گھبرا کر) بتی جل رہی ہے۔

رخشندہ: راستہ کدھر ہے؟ میں انہیں مدتوں سے ڈھونڈھ رہی ہوں۔ میں ان کے طور طریقے
سے واقف ہوں۔ ایک نظر دکھائی دے کر پھر گم ہو جانا ان کا شیوہ ہے۔

بھائی جان: سلامت بھائی ابھی تک نہیں آئے۔ ان کو تو دیر لگانے کی عادت نہیں۔

بھابی: آئیں بائیں۔ اب مردوں پہ حکم تھوڑے ہی لگایا جا سکتا ہے ایسے ہی جیسے آپ کو
کسی ضابطے کا پابند کیا جا سکتا ہے!

بھائی جان: مجھے پتہ ہو کہ کسی کی یہ غیر حالت ہو سکتی ہے تو میں کبھی دیر نہ لگایا کروں گا۔

بھابی: اس طرح ہوتا ہے۔ کسی میں کم۔ کسی میں زیادہ۔ تعجب ہے! سلامت بھائی ہو کہاں سکتے
ہیں اس وقت؟

بھائی جان: شہاب گنج میں ایک سید نادم ہے اس سے گاڑھی چھنتی ہے ان کی کیا معلوم جو موسم
کی خرابی کی وجہ سے وہیں ٹھہر گئے ہوں۔

بھابی: جب اپنے گھر کے آدمیوں کا پتہ ہو تو پھر کسی صورت نہیں رکنا چاہیئے۔

نہیں لگتیں ...... ؟ کیا تمہیں ہر حرکت میں صدیوں سے ایک مانوس آہٹ نہیں سنائی دیتی؟

بھابی: سنائی دیتی ہے آپا لیکن......

رخشندہ: کیا تم باتیں کرتی ہوئی بہک نہیں جاتیں؟ کیا تمہارے کردار اور گفتار میں فرق نہیں پڑتا؟ کیا تمہیں یہ محسوس نہیں ہوتا کہ دنیا بھر میں تم ہی ایک ایسی عورت ہو۔ جس کا خاوند واپس نہیں آیا۔ کیا تمہارا فکر تمہاری چربی کا چراغ جلا کر راہگذاروں، شاہراہوں، اسپتالوں میں نہیں ڈھونڈا کرتا؟ کیا تمہیں یوں نہیں دکھائی دیتا جیسے تم صدیوں سے آوارہ ہو رہی ہو اور تمہارے عزیز اپنے نرم و گرم گھونسلے میں پڑے تمہاری مصیبت کا خیال نہیں کرتے۔

آہ! روح اس تجسس نا اید میں کتنا وقار کھو دیتی ہے! وہ کتنی کم ظرف ہو جاتی ہے۔

بھابی: مشکل ہی سے کوئی عورت ہو گی جو اپنے خاوند کی اس بے اعتنائی کو دیکھ کر چُپ رہے۔ عورتیں ہمیشہ اس بات سے خفا ہوتی ہیں لیکن سوچو تو سہی۔ یہی ایک لطیف بنیاد ہے جس پر حبیب و محبوب کی محبت کا محل کھڑا ہے ہاتھ پسارو اور تمہیں محبوب مل جائے ...... تو روح کی مقدس آگ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو جاتی ہے۔

رخشندہ: بھابی۔ میں تمہارے ہاتھ چومتی ہوں۔ آؤ۔ مجھ سے لپٹ جاؤ۔ تمہارے اس فقرے میں کتنی پیغمبرانہ شان ہے۔ لیکن وہ کدھر ہیں؟ اب انتظار کی وحشت مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔ مجھ سے مذاق نہ کرو۔ مجھے میرا شوہر دے دو مجھے میرا شوہر دے دو۔

بھائی جان: (جو جامد ساکت سب باتیں سن رہا ہے) رخشندہ اختر!

رخشندہ: آپ لوگوں نے اسے کہیں چھپا رکھا ہے وہ دیکھو بستر ا بھرا ہوا ہے (دوڑ کر بستر تک پہنچتی ہے) کیوں یہاں کچھ بھی نہیں؟

بھائی جان: رخشی۔ رخشی۔ بیوی رخشی کے کپڑے بھیگ رہے ہیں۔

بھابی: ہاں ساری شلوار گیلی ہوئی جاتی ہے۔ برآمدے میں کھڑے رہنے کی وجہ سے چھینٹا پڑ گیا ہے۔

بھائی جان: یا نہیں لائبریری میں چمڑے کی جلدوں کی بُو اچھی لگتی ہے۔
بھابی: لیکن لائبریری تو نو بجے بند ہو جاتی ہے۔
بھائی جان: اور بارش آٹھ بجے سے ہو رہی ہے لیکن سلامت اپنے کپڑوں کو کسی طرح بھی خراب کرنے والے نہیں۔
بھابی: اشرفیاں لٹیں، کوئلوں پہ مہر! رخشندہ ایک طرف اور کپڑے دوسری طرف بھی!
بھائی جان: البتہ سینما کے دوسرے شو میں نہ چلے گئے ہوں۔
بھابی: لیکن کتنا غیر ذمہ دارانہ رویہ ہے۔ اچھی طرح سے جانتے ہیں لاڈلی کو۔ اسے تو تعویذ بنا کر گلے میں ڈال لیا ہوتا۔
رخشندہ: (آواز میں رقت سے) بھائی جان۔ اللہ نے مجھے اور آپ کو ایک ہی خون سے بنایا ہے لیکن ان کے نہ آنے سے آپ کا خون کیوں بے حس رہتا ہے؟ اس میں بے تار برقی کا عمل کیوں نہیں؟ کیوں ہر بار میری ہی گردن غم و اندوہ کی کند چھری سے ریتی جاتی ہے آپ کیوں نہیں سامنے پڑا ہوا چھاتا لے کر نکل جاتے اور انہیں ڈھونڈ لاتے؟
بھابی: پتہ بھی ہو سلامت ہیں کہاں۔ اور پھر چھاتا بھی ٹھیک حالت میں نہیں ہے۔
رخشندہ: برساتی۔ بھائی جان! برساتی کیوں نہیں پہن لیتے؟
بھابی: ہونہہ! جدا مجد کے وقت کی برساتی خرید رکھی ہے۔ وہ کیا چھینٹے کو روک سکتی ہے؟
بھائی جان: اور ایسے میں تو چھاتا بھی بے بضاعت ثابت ہوتا ہے۔
بھابی: اچھی حالت میں بھی ہو تو اُلٹ جاتا ہے اور برساتی میں گردن کے قریب ایک بڑا سا سوراخ بھی ہے
رخشندہ: راستہ! راستہ! جب روح اپنے مالک کا پیچھا کرتی ہے۔ تو رات کس قدر اندھیری ہو جاتی ہے۔ دنیا کے چاروں کونوں سے طوفان اُمنڈ آتے ہیں۔ خرمن سوز بجلیاں کوندنے لگتی ہیں۔ کائنات کا ذرہ ذرہ مخالفت پر تل جاتا ہے۔ سگی بہن کواڑ بند کر لیتی ہے۔ بھائیوں کے چھاتے اُلٹ جاتے ہیں اور بدنصیب روح......

بھابی : آپا معاف کیجئے۔ آپ کو دوسروں کے برتن میں گدلا پانی گھنگلنے کی بہت بڑی عادت ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ کو اپنے بھائی کی نسبت اپنا شوہر زیادہ عزیز ہے۔ نہ جانے شادی کے بعد بہنوں کو کیا ہو جاتا ہے؟ ماں باپ بہن بھائی سب شوہر کے مقابلے میں ہیچ دکھائی دینے لگتے ہیں۔

رخشندہ : مجھے میرے ہی خنجر سے ہلال نہ کرو بھابی۔ تم یہ سب باتیں ایسے کر رہی ہو۔ بھابی جیسے تم کسی کی بہن نہیں ہو۔ لیکن (رونے لگتی ہے) زندگی کی شمع زندگی سے ہی جلتی ہے۔ ڈوبتے ہوتے آدمی کو بچانے کے لئے ایک خطرے سے یا ہر انسان کو اپنی جان جوکھم میں ڈالنا ہوتی ہے اگر یہ پتہ ہو کہ دوسرا آدمی ڈوب ہی چکا ہے تو کوئی نامحرم کو بھی چھلانگ لگانے کے لئے منع کرے۔ آہ بھابی! تم لوگ ایک بیقرار روح کو کتنا غلط سمجھتے ہو!

(ننھے میاں داخل ہوتے ہیں)

ننھے میاں : یہ کیا اودھم سا مچ رہا ہے ادھر؟

بھابی : وہی روز مرہ ننھے میاں!

ننھے میاں : آپا کیوں پاگلوں کی طرح چیخ رہی ہے؟

رخشندہ : میں ہی مشیخت کی ماری ہوئی ہوں ننھے میاں! ہر روز مجھے تلنے کے لئے زمانے کی کڑاہی میں بیانا تیل ڈالا جاتا ہے۔ ہر روز میرے لئے ایک المناک افسانہ کھڑا ہوتا ہے۔

ننھے میاں : آج کیا بات ہے؟

بھائی جان : بات کیا ہو گی۔ سلامت بھائی نہیں آئے۔

ننھے میاں : تو اتنا شور مچانے کی کیا ضرورت ہے؟ پرسوں میرا امتحان ہے اور میں ایک لفظ بھی تو نہیں پڑھ سکتا۔ بھائی جان آ جائیں گے کوئی بچہ تو نہیں ہیں۔

رخشندہ : ننھے میاں۔ کیا تم بھی اس قبیح سازش میں شریک ہو؟ کیا تم بھی اس غلیظ اسٹیج پر کھیلے جانے والے ڈرامے کے ایک ولین ہو؟

بھائی جان: (اونچی آواز میں) رخشندہ بہن اپنی زبان کو قابو میں رکھنا چاہیئے۔

ننھے میاں، بھائی جان برہم ہونے کی ضرورت نہیں۔ آپ آپا کو اچھی طرح سے جانتے ہوئے بھی نہیں جان رہے ہیں (نہایت محبت سے) آپا جان۔ کیا چاہتیں ہیں آپ؟

رخشندہ: (ہمدردی کے الفاظ سن کر پھر ٹھٹکتی ہے) میں کیا چاہتی ہوں؟ لذتِ خودی دے کر مجھ ہی سے پوچھتے ہیں کہ میں ..... آہ! تم سب بہن بھائی گرگ درندہ ہو۔

ننھے میاں: لیکن آپا.....

رخشندہ: میں کسی کو انہیں تلاش کرنے کے لئے مجبور نہیں کرتی۔ میں خود چلی جاتی ہوں لیکن تم لوگ مجھے یوں سڑکوں پر جاتے ہوئے دیکھ کر بھی تو برداشت نہیں کرتے۔ خود جاؤ یا مجھے جانے دو۔ ننھے میاں تم میرے چھوٹے بھائی ہو کیا تم پر بھی میں کوئی حق نہیں رکھتی؟ مجھیں روکنے والی تو یہاں کوئی نہیں ہے۔

بھابی: دیکھو آپا.....

ننھے میاں: بھابی! آپ پھر بولنے لگیں۔ آپ معاملے کی نزاکت کو نہیں سمجھ سکتیں۔ لائیے کدھر ہے چھاتا اور برساتی؟

بھائی جان: (ندامت سے) باہر جانے سے تو میں نہیں گھبراتا البتہ مجھے.....

بھابی: چھاتا اور برساتی وہ دونوں سامنے کپڑوں والی الماری میں پڑے ہیں۔

(ننھے میاں جاتے ہیں)

رخشندہ: (پھر خلا میں دیکھتے ہوئے) کارواں! کارواں جارہا ہے مجھے اپنے کانوں میں گھنٹیوں کی آوازیں سنائی دے رہی ہیں۔ کارواں چلا گیا اور میں ریگِ صحرا پھانک رہی ہوں۔

بھابی: (حیران ہو کر) آپا کو کشف ہو رہا ہے!

بھائی جان: (حیران ہو کر) کشف ہو رہا ہے؟

بھابی: آپ دیکھتے نہیں ان کی نگاہیں کس طرح ایک نقطے پر جمی ہوئی ہیں..... وہ اس دیوار کے پار اس طرح دیکھ رہی ہیں جیسے وہ شیشے میں سے جھانک رہی ہوں (وحشت زدہ ہو کر) انکی نظریں دلِ وجود کو چیر رہی ہیں۔

بھائی جان: بیوی ․․․․ رخشی کو کیا ہو گیا ہے؟ خدارا اس کے کپڑے بدل ڈالو! ورنہ یہ سردی میں مر جائے گی۔ دیکھو اس کے ہونٹ نیلے ہو رہے ہیں۔

رخشندہ: کپڑے! (ہنس کر) میں نے پہلے ہی اپنے جسم کو نم زمینوں کے کپڑوں سے آلودہ کر رکھا ہے (نفرت سے) تم لوگوں نے پہلے ہی مجھے جو جسم دے رکھا ہے وہ ایک چیتھڑے سے زیادہ نہیں وہ سال میں بارہ مہینے نزلہ اور سر درد میں مبتلا رہتا ہے (کشف) میں محض ایک جسم سے کچھ زیادہ ہوں! لیکن میں کون تھی؟ کہاں تھی؟ اور کدھر چلی آئی؟ (دیوانہ وار ناچتے ہوئے)

"جب سے ہوں میں نیستاں سے بیوطن"

(ناچنے لگتی ہے)

بھائی جان: بیوی! مجھ سے یہ نہیں سہا جاتا۔ تم زبردستی رخشندہ کے کپڑے بدل ڈالو۔ میں اماں جان کو اطلاع دیتا ہوں۔

بھابی: میرے ہاتھ پاؤں بھی پھولنے لگے ہیں۔ آپ آپا کے چہرے کا جلال نہیں دیکھ رہے؟ اُوہ! ․․․․․․ میری آنکھیں تو خیرہ ہوتی جاتی ہیں۔

رخشندہ: یہ روح کا ناچ ہے! روح کا ناچ! روح جب اپنے ازلی خاوند، اپنے اصل سے جدا ہوتی ہے تو پھر اس کے وصال کے لئے بھٹکتی پھرتی ہے!

(گاتی ہے)

جب[1] سے ہوں میں نیستاں سے بیوطن
ہیں مرے شیون سے نالاں مرد و زن

بھائی جان: (ڈر کر) رخشندہ مجسم رخشندہ ہوتی جا رہی ہے۔

بھابی: (متانت سے) آپ سلامت بھائی کو ڈھونڈنے چلے جائیے۔ چلے جائیے!

بھائی جان: اب چھاتا بھی نہیں اور نہ برساتی۔

بھابی: پرواہ نہ کیجئے! مجھے یوں معلوم ہوتا ہے، جیسے آپ بھی باہر سے واپس نہیں آ

---

[1] کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند — از نفیرم مرد و زن نالیدہ اند (مولانا روم مثنوی)

اگر سلامت بھائی آ گئے تو میں سمجھوں گی آپ بھی آ گئے۔

بھائی جان: میں چلتا ہوں، لیکن رخشندہ آناً فاناً چُپ ہو گئی ہے، کیوں؟ آخر کیوں؟

بھابی: جیسے صدف نے گوہر کو لے کر اپنا مُنہ بند کر لیا ہے۔ میں کپڑے بدلتی ہوں، آپ
اماں جان کو خبر کر دیجئے جلدی!

رخشندہ: میں کپڑے نہیں بدلنے دوں گی (ننھے میاں داخل ہوتے ہیں۔ طوفان کی آواز آتی ہے)

ننھے میاں: (ہانپتے ہوتے! غصّے کے اظہار میں) میں سر سے پاؤں تک بھیگ آیا ہوں۔ میں
کہتا ہوں یہ کیا بیہودگی ہے؟

بھائی جان: بیہودگی کیا؟

بھابی: سلامت بھائی نہیں ملے؟

ننھے میاں: میں چوک سے پرے نہیں گیا کہ چھاتا اُلٹ گیا۔ یہ ساتی پہ قناعت کی لیکن اس میں
بھی کپڑے بھیگ گئے۔ آپ باہر طوفان نہیں دیکھتے؟ (غصّے میں) یہ آپا رخشندہ کی
سراسر زیادتی ہے اب میں خواہ مخواہ نمونیہ میں مبتلا ہو جاؤں۔

بھابی: ننھے میاں تمہارا بال بھی بیکا نہیں ہونے کا۔

ننھے میاں: لیکن یہ کتنی بدتمیزی ہے۔ ذاتی طور پر میں تو زندگی بھر ایسی لڑکی سے شادی نہ کروں
جو اپنے شوہر کو اتنی بھی آزادی نہ دے سکے کہ وہ ایسے میں باہر ٹھہر جائے۔

بھائی جان: خطرہ حادثہ کا ہے چھوٹے میاں۔

بھابی: ہاں، حادثے کا ہی ہے ورنہ!

ننھے میاں: اگر سلامت بھائی کا بال بھی بیکا ہو تو آپ مجھ سے بھر لیں

رخشندہ: (آناً فاناً) میں میرے شیون سے نالاں مرد و زن

(ناچتے ہوئے) مرد و زن! مرد و زن!! مرد و زن!!!

ننھے میاں: آپا کو کیا ہو گیا ہے۔ اماں کو بلاؤ ـــــ فوراً ـــ اماں جان کو۔

بھائی جان: بیگم تم کپڑے بدل لو۔ ہم دونوں جاتے ہیں۔ (جاتے ہیں)

بھابی: آپا۔ آپا مجھے بخش دو۔ میں نہیں جانتی تھی کہ تو مجسم روح ہے۔ روح! ہم سب جسم ہیں، جسم۔ ہم اس جسم سے کبھی اوپر نہیں اُٹھتے۔

رخشندہ: بھابی ..... وہ آرہے ہیں .... وہ آرہے ہیں۔ دنیا کے بڑے بڑے ولی راستہ میں بیٹھے ہیں اور میں بھاگی جا رہی ہوں ......

بھابی: آپا ... آپا ..... اپنے مبارک قدموں پر مجھے اپنی گناہ آلود جبین رگڑنے دو۔ میں نہیں جانتی تھی کہ تو ——

(آپا جان، دولہا بھائی، بھائی جان اور اماں جان اور گھر کے بہت سے آدمی بھاگے ہوئے آرہے ہیں۔ سب کے سب سخت گھبرائے ہوتے ہیں)

اماں جان: رخشی! رخشی بیٹا! (چیخ مار کر) ہائے!

آپا جان: رخشی! رخشی!!

دولہا بھائی: رخشندہ ہیں سچ مچ؟

آپا جان: اماں۔ رخشی کو مار ڈالنے کی میں ذمہ دار ہوں۔ اس کا خون میری گردن پہ ہے۔ لیکن میں کیا جانتی تھی مشیت کی ماری.....

اماں جان: رخشی بیٹی! ہائے بیٹی! ایک دفعہ تو آنکھیں کھول کر دیکھ لے! (روتی ہے)

بھائی جان: (روتے ہوئے) رخشی!

ننھے میاں: (بلند آواز میں) آپا۔

اماں جان: بیٹی —— بیٹی!!

رخشندہ: (نہایت کمزور آواز میں) اماں!

بھابی: اماں جان، آپ کی بیٹی کوئی ولی اللہ ہے۔ اس کے چہرے کا جلال نہیں دیکھتیں آپ؟

دولہا بھائی: تم عذرا بیں کتنی ضعیف الاعتقاد ہو۔ اسے سردی لگ گئی ہے اور بس۔
آپا جان: کمبل اوپر کر دو۔ ہائے بیں نصیبوں جلی!
بھائی جان: (نوکر کو آواز دیتے ہوئے) کرامت۔ ابے کرامت۔ وہ انگیٹھی سرکاتا
اماں جان۔ دودھ کا ایک گھونٹ ہے کہیں۔۔۔۔
بھابی: ہاں اماں جان بیں رات چولہے بیں ایک گلاس رکھ آئی تھی۔ دودھ لا دو ننھے میاں (ننھے میاں جاتے ہیں)
اماں جان: رخشی، کیوں کیا ہوا میرے بیٹے کو؟
رخشندہ: (ویسے ہی نحیف آواز بیں) اماں مجھے میرے کمرے بیں لے چلو۔
اماں جان: (ڈر کی جگہ غصہ لے لیتا ہے) آج آنے سلامت۔ بیں اس کی وہ خبر لوں گی کہ یاد
کرے گا۔ بیں نے آج تک اپنے کسی داماد کو کچھ نہیں کہا تھا۔ لیکن آج بیں نے
اس کے بال نہ نوچ ڈالے تو۔۔۔۔
بھائی جان: واقعی یہ کیا بدتمیزی ہے کہ۔۔۔۔؟
دولہا بھائی: ارے رہنے دو یار۔ اُس بے چارے کو کیا معلوم کہ رخشندہ اتنی پاگل ہے؟
آپا جان: لیکن ایسا بھی کیا؟ آپ اپنے رات کے سیر سپاٹوں کا جواز پیدا کر رہے ہیں تو
علیحدہ بات ہے۔
بھائی جان: مانا باہر ٹھہر گئے۔ لیکن اطلاع تو ہو۔
بھابی: باہر ٹھہر ہی کیوں گئے بھلا؟
ننھے میاں: اماں جان۔ یہ لیجئے گرم گرم دودھ حلق بیں ٹپکا دیجئے۔ اس چمچے سے۔
اماں جان: رخشی بیٹا!
رخشندہ: اماں جان اس تھوڑے سے عرصے میں بیں سب حقیقتوں سے واقف ہو چکی
ہوں۔ سب حجاب اُٹھ چکے ہیں۔
بھابی: روح کو، جسم کو بیماری سہنا ہی پڑتی ہے۔

رخشندہ: بس کسی پر الزام نہیں دھرتی بھابی۔ یہ اپنے ہی لینے دینے کے سمبندھ ہوتے ہیں پھر بیمار روح بھی تو جسم کا حلیہ بگاڑ دیتی ہے اماں! وہ آئیں ہیں یا نہیں؟

اماں جان: اللہ جلنے کہاں عاقبت کے بوریئے بٹور رہا ہے۔

رخشندہ: تو مجھے طفل تسلیوں پہ جلینے دو اماں۔ تم میری شادی کا ذکر کرو۔ میری شادی کا۔

اماں جان: شادی کا؟

رخشندہ: تم لوگ میرے ارد گرد مت کھڑے ہو جاؤ —— ہاں اماں جان! شادی کا!

آپا جان: رخشی ......

بھائی جان: رخشی!

ننھے میاں: آپا! (سسکیاں لیتا ہے)

اماں جان: ابھی کل کی ہی تو بات ہے تمہاری شادی۔ تمہارے ابا نے شادی ٹھرائی۔ (ایک معنی خیز وقفہ جس میں اماں جان کے ضبط کا احساس ہوتا ہے) منگنی کی۔ سلان درست کیا، اور اپنی بیٹی کو مانجھے بٹھایا۔

رخشندہ: پھر کیا ہوا۔ اماں مجھے وہ دن یاد آرہے ہیں! اور جی میں ایک خط سا محسوس ہو رہا ہے۔ کیوں اماں ——

اماں جان: کچھ دن کے بعد ساچق آئی۔ چڑھاوا چڑھا۔ پھر تمہارے گورے گورے خوبصورت ہاتھ مہندی میں رنگے گئے۔ دیکھو، میری دلہن کے ناخنوں میں اب تک مہندی کا رنگ ہے!

رخشندہ: کہاں .....؟ (جیسے اپنے ناخن دیکھ رہی ہے) میری انگلیوں کی پوریں تو زرد ہیں، بالکل زرد!

اماں جان: چل ہٹ —— پگلی ہوتی جاتی ہے کیا؟

آپا جان: (سسکیاں لیتے ہوئے) رخشی ہائے!

اماں جان: اری تو کیوں رونے لگی؟ یہ بڑا ادلا ساد۔ ینے آئی تھی۔

آپا جان: میں آپ کی مجرم ہوں ——— اماں!

اماں جان: بڑی کو پرے سے جاؤ۔ بیٹا (رخشی سے) رخشی بیٹا!

رخشندہ: پھر کیا ہوا؟

اماں جان: پھر برات آئی۔ دروازے پر دھا ہو کرڑی مچی۔ سمدھنیں نئے جوڑے پہنے ہوئے اُتریں۔ اُدھر گالیوں کی بارش ہوئی۔ اِدھر ڈومنیوں نے گا گا کر ناچا اور ناچ ناچ کر گایا۔

بھابی: (روتے ہوئے) اماں مجھ سے یہ برداشت نہیں ہوتا!

ننھے میاں: روتے ہوئے) کیا ہو گیا ہے آپا کو ۔ اماں؟

اماں جان: خاموش! (آواز میں رقت ہے) پھر تمہارا نکاح پڑھا گیا گوری گوری ناک میں سبک سی ہیرے کی کیل۔ ہاتھ میں کڑے۔ پاؤں میں چھڑے۔ چھم چھم کرتی ہوئی چلیں تم۔

رخشندہ: اماں کتنا اچھا دن تھا!

بھائی جان: اوہ اماں جان میرا دل بیٹھا جا رہا ہے!

رخشندہ: اماں تمہارا بھی بیاہ ہوا تھا اسی طرح؟

اماں جان: (معنی خیز خاموشی) ——— (ہچکی)

رخشندہ: اماں جان بولتیں نہیں؟ منہ سے دوپٹہ اُٹھا دو۔ تاکہ میں تمہارا مُنہ اچھی طرح سے دیکھ سکوں۔

اماں جان: (رو کر) ہاں بیٹی۔ اسی طرح ہوا تھا اسی طرح

رخشندہ: لیکن اب؟

اماں جان: اب کیا؟ (اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہوئے) اب کچھ بھی نہیں (گھبرا کر اور اپنے فقرے کے معنی سمجھتے ہوئے) اب سب کچھ ہے (محبت سے) بیٹا یہ دیکھو

اب میرے ہاتھوں کا حنائی رنگ تمہارے ہاتھوں پر نظر آ رہا ہے!

رخشندہ: اماں تم کتنی فراخ دل ہو۔ میں تو کبھی اپنا رنگ کسی کو نہ دوں۔

اماں جان: (روکر) دراصل کوئی عورت اتنی فراخدل نہیں ہوتی۔ لیکن اچھا۔ اب تم سو جاؤ۔ آرام تمہارے حق میں مفید ثابت ہوگا۔

رخشندہ: اماں جان میں سمجھتی ہوں۔ میں سب کچھ سمجھتی ہوں۔ مجھے میرے کمرے میں چھوڑ آؤ میں آرام سے سو جاؤں گی ..... میں ناحق تم لوگوں کی پریشانی کا باعث ہو رہی ہوں۔ لیکن میں کیا کروں۔

(سب چلے جاتے ہیں) ..... (وقفہ)

اماں جان: لو یہیں بستر پر لیٹ جاؤ۔ (سامنے بستر پر لٹا دیتی ہیں۔ ایک طرف سے "آپ" داخل ہوتے ہیں ــــ آپ نیم غنودگی کی حالت میں ہیں)

آپ: کوئی ہے؟ پیاس لگ رہی ہے۔

اماں جان: ارے سلامت!

دولہا بھائی: سلامت!

آپا: سلامت بھائی۔

بھائی جان: بھائی جان آپ یہیں تھے؟

(سب بھونچکا رہ جاتے ہیں)

رخشندہ: (اُٹھتے ہوئے) آپ؟ ..... آپ؟ ..... آپ کہاں تھے؟ (پھوٹ پڑتی ہے) کہاں تھے آپ؟

آپ: میں یہیں تھا۔ کیوں کیا ہوا؟ کیا بات ہے؟ تم سب لوگ پریشان کیوں نظر آتے ہو؟ رخشندہ کیوں موت کی طرح زرد نظر آ رہی ہے؟

رخشندہ: آپ یہاں نہیں تھے۔ آپ یہاں نہیں تھے۔

آپ : میں اور کہاں تھا رخشندہ ؟ اتنے طوفان میں میں باہر کیسے جا سکتا ہوں ؟

رخشندہ : آپ کدھر چلے گئے تھے ؟

آپ : میں تم سے ایک ہاتھ کی دوری پہ تھا اے مضطرب روح - میں ہمیشہ ایک ہاتھ کی دوری پر رہتا ہوں - لیکن تم مجھے پانے کے لئے اپنا ہاتھ نہیں پھیلاتیں

رخشندہ : یہ کیسے ممکن ہے (حیران ہو کر) ایک ہاتھ کی دوری پر فقط ایک ہاتھ

آپ : میں ہمیشہ تم سے ایک ہاتھ کے فاصلے پہ ہوتا ہوں رخشی -

رخشندہ : آپ ...... آپ نہیں ہیں - نہیں ہیں مجھے چھوڑ دو - میں انہیں ڈھونڈھنے جاؤں گی - انہیں ڈھونڈھنے جاؤں گی -

(پھر ملکہ چلی جاتی ہے - دروازہ کھلتا ہے اور بھگدڑ سی مچ جاتی ہے گھر کے سب مرد رخشندہ کے پیچھے دوڑتے ہیں)

اماں جان : میری بیٹی !

دولہا بھائی : (بھاگتے ہوئے) رخشندہ ! رخشندہ !!

بھائی جان : (بھاگتے ہوئے) رخشندہ !

ننھے میاں : (روتے ہوئے) آپا !

بھابی : (آنکھوں پہ ہاتھ رکھتے ہوئے) اوہ ! میں تاب نہیں لا سکتی -

آپا جان : (بستر پہ گرتے ہوئے) میرا گناہ ہے سب میرا گناہ -

(دروازہ کھلنے پر طوفان کی ہیبت ناک آوازیں آتی ہیں - جن میں ان لوگوں کا شور شامل ہو جاتا ہے - کچھ دیر بعد ایک چکا چوند پیدا کرنے والی روشنی نظر آتی ہے - جس کے بعد اندھیرا چھا جاتا ہے ———)

(پردہ)

ہماری مطبوعات

آگ کا دریا	قرۃ العین حیدر
کارِ جہاں دراز ہے	"
فصلِ گل آئی یا اجل آئی	"
کوہِ دماوند	"
گلگشت	"
مضامینِ رشید	رشید احمد صدیقی
طنزیات و مضحکات	"
آشفتہ بیانی میری	"
بے جان چیزیں	راجندر سنگھ بیدی
ہاتھ ہمارے قلم ہوئے	"
بیدی کے افسانے	"
لاہور کا جو ذکر کیا	گوپال متّل
خوشبو کا بدن	عصمت چغتائی
دو ہاتھ	"
پطرس کے مضامین	پطرس بخاری
پطرس کے خطوط	"
تنقیدی مضامین	"
اس نے کہا	خلیل جبران
خدا اور دیوتا	"
زرد پتے	"
جوانی اور محبت	"
مجرم	"
پاگل	"

کرنیں	شفیق الرحمٰن
تعمیرِ حیات	ڈیل کارنیگی
رات چور اور چاند	بلونت سنگھ
ایک گدھے کی سرگزشت	کرشن چندر
پھول کی تنہائی	"
محبت کی رات	"
اُلٹا درخت	"
زیرِ لب	صفیہ اختر
حرفِ آشنا	"
وہ صورتیں الٰہی	مالک رام
ذکرِ غالب	"
نقوشِ زنداں	سجاد ظہیر
آتشِ گل	جگر مرادآبادی
کلیاتِ جگر	"
تلخیاں	ساحر لدھیانوی
کلیاتِ ساحر	"
کلیاتِ شکیل	شکیل بدایونی
ہزار داستان	فراق گورکھپوری
روحِ کائنات	"
گلِ نغمہ	"
رُباعیاتِ عمر خیام	عمر خیام
اُردو کی بہترین غزلیں	مرتبہ پرکاش پنڈت
لذیذ پکوان	شائستہ کوثر